ادارۃ العلوم الاثریۃ منٹگمری بازار، فیصل آباد۔ فون: 642724

فلاح کی راہیں

ارشاد الحق اثری

ادارہ العلوم الاثریہ
منٹگمری بازار، فیصل آباد۔ فون: 642724

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: فلاح کی راہیں

مؤلف: ارشاد الحق اثری

تاریخ اشاعت: ستمبر 2004ء

تعداد: 1100

مطبع: انٹرنیشنل دارلسلام پرنٹنگ پریس، لاہور
فون: 042-7232400

ناشر:

ادارہ العلوم الاثریہ

منٹگمری بازار، فیصل آباد۔ فون، 642724

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ قَدْأَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَا تِهِمْ خَاشِعُوْ نَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّ کَاةِ فٰعِلُونَ oوَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ oاِلَّا عَلٰی أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَکَتْ أَیْمَانُهُمْ فَاِ نَّهُمْ غَیْرُمَلُوْمِیْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَأُولٓئِکَ هُمُ الْعَادُوْنَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ o اُوْلٓئِکَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ o الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ ﴾

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین و الصّلاۃ و السّلام علیٰ سیّد الانبیآء والمرسلین وعلیٰ الہ و صحبہٖ ومن تبعھم الیٰ یوم الدین، اما بعد :

ہر مسلمان اس بات کا متمنی ہے کہ اسے دنیا و آخرت میں فلاح وفوز اور کامیابی و کامرانی حاصل ہو یہ تمنا کیونکر پوری ہو سکتی ہے؟ اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں، اور یہ اطاعت عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات بلکہ تمام اوامر ونواہی میں ہو اور ہمیشہ ہو۔ سمع واطاعت کا یہ رشتہ دائمی ہو منقطع ہونے والا نہ ہو، اگر کبھی کوتاہی ہو جائے تو فی الفور اس کا ازالہ کیا جائے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے آئندہ اس سے اجتناب کا عہد کیا جائے کہ عبدیت وغلامی کا یہی تقاضا ہے۔

قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں سمع واطاعت کے تمام پہلوؤں کو یا یوں کہیے کہ فلاح کی راہوں کو مختلف مقامات پر بیان کر دیا گیا اور انہی میں سے ایک مقام سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات ہیں جن میں رب العالمین نے بڑے وثوق سے فلاح پانے والوں کے چند اعمال کا ذکر فرمایا ہے اور یہ اعلان کیا ہے کہ یہی خوش نصیب جنت فردوس کے وارث ہیں اس رسالہ میں انہی آیات مبارکہ کی ضروری تفسیر وتفصیل پیش خدمت ہے۔

یہ رسالہ دراصل اس عاجز کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو جامع مسجد محمدی اہلحدیث پیپلز کالونی میں جمعہ کے روز مغرب کی نماز کے بعد دیئے گئے، درس میں تعلیم وتربیت اور تلقین ونصیحت کا پہلو غالب ہوتا ہے اس لیے ان میں معروف تفسیری انداز سے ہٹ کر تعلیم و تربیت کا انداز اختیار کیا گیا ہے جسے احباب نے پسند فرمایا بلکہ بعض حضرات نے افادہ عام کے لیے ان کی اشاعت کا تقاضا کیا۔ چنانچہ ادارۃ العلوم الاثریہ ان دروس کو ضروری حک واضافہ کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ اس

جنت میں جائے گا۔مگر یہ روایت صحیح نہیں۔ یونس بن سلیم ایلی مجہول ہے۔لیکن اس میں کیا شک ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان اوصاف سے متصف مومنون کو فلاح وفوز کی بشارت دی ہےاور انھیں جنت کا وارث قرار دیا ہے۔ یہ اوصاف کیا ہیں؟ ان کی تفصیل سے پہلے دیکھیے کہ فلاح کے معنی کیا ہیں؟

فلاح کے معنی

فلاح کے معنی کامیابی اور مطلب براری کے ہیں۔ یہ لفظ ''خُسـرا ن'' کی ضد ہے جو خسارے، گھاٹے اور ناکامی ونامرادی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ جبکہ ''فلاح'' میں مطلوب کا ملنا اور محذور ومرھوب سے بچ نکلنا مراد ہوتا ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ''فلاح''عرف میں یہ ہے " الظفر بالمطلوب و النجاة من المرھوب " (قرطبی: ص ۱۸۲ ج ۱) مکمل فلاح یہ ہے کہ ہر مراد پوری ہو اور ہر تکلیف دور ہو۔ یہ اس دنیا میں تو ممکن ہی نہیں، کیونکہ یہ دنیا دار التکلیف اور دارالابتلاء ہے۔ یہاں کسی چیز کو بقاء وقرار نہیں، انسان خود فانی ہے اور یہ دنیا بھی فانی، کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ یہاں اس کی ہر مراد پوری ہو، نعمت حاصل ہے تو زوال نعمت کا کھٹکا، صحت ہے تو بیماری کا خوف، اس لیے یہ نعمت مکمل طور پر ملے گی تو صرف جنت میں جس میں داخل ہونے کے بعد نہ موت کا خوف، نہ زوال نعمت کا ڈر، نہ بیماری کا خطرہ، جہاں ہر مراد ملے گی، ہر خواہش پوری ہوگی۔ اسی لیے جنت میں داخل ہوتے ہی ہر جنتی پکار اٹھے گا کہ اب ہمارا غم دور ہوگیا۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴾

(فاطر: ۳۴،۳۵)

اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کردیا یقیناً ہمارا رب بخشنے والا قدردان ہے، جس نے اپنے فضل سے ابدی قیام گاہ میں اتارا، جہاں نہ ہمیں مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور نہ تھکان لاحق ہوتی ہے۔

اس لیے مکمل فلاح تو مومن کو جنت ہی میں ملے گی، تاہم ان اوصاف سے متصف حضرات اس دنیا میں بھی محروم نہیں رہیں گے۔ گو وقتی طور پر وہ تکلیف سے دوچار ہوتے ہیں مگر نیک نامی، عزت اور ناموری ان اوصاف کے حاملین ہی کو ملتی ہے۔ اچھے الفاظ سے انہی کو یاد کیا جاتا ہے نہ کہ کسی فاسق و فاجر کو، جس کی شہادتیں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ دنیا میں اگر وقتی پریشانیوں میں مومن گھر جاتا ہے تو کیا کافر ہمیشہ آسودگی اور کامیابی کی زندگی گزارتا ہے؟، ہرگز نہیں وہ بھی یہاں بہر آئینہ تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ دل کے ارمان اس کے بھی پورے نہیں ہوتے، مگر ﴿مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ آخرت میں تو ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اور جو یہاں ہے وہ بھی ﴿مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ﴾ چند روزہ زندگی کا لطف، پھر ان کا ٹھکانا جہنم (اعاذنا الله منها)، بتلایئے فلاح کس کا مقدر بنی؟۔

سورۃ المومنون مکی ہے، مکی دور میں صحابہ کرام پر جو گزر رہی تھی اور رؤسائے کفار انہیں جس حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے ان احوال میں یہ اعلان کہ " قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ" یقیناً فلاح پائی ایمان والوں نے، یہ اس بات کا اظہار تھا کہ دنیا کی جس ظاہری سج دھج کو تم کامیابی سمجھ رہے ہو یہ تمہارا خیال خام ہے۔ کامیاب درحقیقت محمد رسول اللہ ﷺ کو ماننے والے ہیں۔ آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کر کے انہوں نے کوئی خسارے کا سودا نہیں کیا، بلکہ اس دولت ایمان کی بنا پر وہی سرخرو ہوں گے اور اس دعوت کو قبول نہ کر کے خسارے کا سودا تم نے کیا۔ جس کا انجام تم دوسری زندگی میں تو دیکھو گے ہی، اس دنیا میں بھی اس کا احساس تمہیں ہو کر رہے گا۔ چنانچہ چند ہی سالوں بعد ان کی امیدوں پر جو اوس پڑی اور جس پستی سے وہ دوچار ہوئے ہر انسان نے اسے بچشم سر دیکھا۔ اور قرآن پاک کے اس اعلان کی تصدیق کی کہ واقعی فلاح ایمان والوں کا ہی مقدر ہے۔

فلاح کی شرطِ اول ایمان ہے

بلاشبہ یہ سات اوصاف فلاح وفوز کا ذریعہ ہیں۔ مگر کن کے لیے؟، ایمانداروں کے لیے جو اللہ وحدہ لاشریک کو اپنا معبود مانتے ہیں، اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور اپنا

ہادی و رہبر تسلیم کرتے ہیں۔ گویا ایمان وہ اصل الاصول اور بنیادی چیز ہے جس کی بدولت نیک عمل اللہ تعالی کے ہاں قبول ہوتے ہیں۔ مگر جو ایمان سے تہی دست ہو وہ خواہ کتنے ہی نیک اعمال کرلے اللہ تعالی کے ہاں وہ قبول نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا ﴾ (النور : ٣٩)

''اور جو کافر ہیں ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹیل میدان میں سراب ہو جسے پیاسا پانی سمجھ رہا ہو حتی کہ جب وہ اس کے قریب آتا ہے تو وہاں کچھ نہیں پاتا۔''

گویا کافر کے اعمال جسے وہ نیکی تصور کرتا ہے اور اپنے لیے نجات کا سبب سمجھتا ہے کی مثال چمکتی ریت کی مانند ہے۔ جسے پیاسا دوپہر میں دور سے پانی تصور کرتا ہے مگر جب وہ پیاس کا مارا اس کے قریب جاتا ہے تو اسے ریت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اسی طرح کافر جن اعمال پر سہارا لگائے بیٹھا ہے وہ سارے کے سارے ریت کی مانند ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں۔ اہل مکہ نے اپنی حلال کی کمائی سے بیت اللہ کی تعمیر کی، حجاج کی بھرپور خدمت کرتے، حج کرتے، صدقہ وخیرات کرتے مگر دولت ایمان سے دامن خالی تھا اسی لیے فرمایا گیا ہے:

﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (التوبة : ١٩)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر بنا دیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے؟ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے والد عباس بن عبدالمطلب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب وہ بدر میں قیدی بنے تو کہنے لگے کیا ہوا، اگر تم اسلام، ہجرت اور جہاد میں ہم سے سبقت لے گئے ہو ہم نے بھی بیت اللہ کی تعمیر کی ہے، حاجیوں کو پانی پلایا ہے اسیروں کو آزاد کروایا ہے، تو اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ

نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن کثیر) عاص بن وائل نے نذر مانی کہ میں سو اونٹ کی قربانی دوں گا اس کے بیٹے ھشام بن عاص نے اپنے حصہ کے پچاس اونٹ کی قربانی دی، اس کے بارے میں حضرت عمرؓو نے آپ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ توحید کا اقرار کر لیتا تو اسے فائدہ پہنچتا۔ (مسند احمد ص۱۸۲، ج۲) حضرت عائشہؓ نے ابن جدعان کے بارے میں پوچھا کہ وہ ''یصل الرحم و یطعم المسکین'' بڑا صلہ رحمی کرتا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا، کیا اسے ان اعمال سے کچھ فائدہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل نہیں، اس نے کبھی یہ نہیں کہا ''رَبِّ اغْفِرْ لِی خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْن'' اے اللہ قیامت کے روز میری خطائیں معاف فرمادیں (مسلم: ص ۱۱۵ ج ۱ ابوعوانۃ: ص ۱۰ ج ۱)

اس لیے قبولیت اعمال کے لیے ایمان شرط اول ہے، بلکہ یہ ایک ایسا پارس ہے کہ اس کے ساتھ معمولی عمل بھی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس سے دامن خالی ہو تو بڑے سے بڑا عمل ریت کی دیوار کی مانند بے کار بن جاتا ہے۔

خشوع کیا ہے

خشوع کے معانی ہیں جھکنا، عاجزی کرنا، اظہار عجز و انکساری کرنا۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

هیئة فی النفس یظهر منها فی الجوارح سکون و تواضع.

(تفسیر قرطبی: ص ۳۷۴ ج ۱)

خشوع دل میں ایسی ہیئت کا نام ہے جس سے اعضاء میں سکون و تواضع ظاہر ہو۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

''کان خشوعهم فی قلوبهم فغضوا بذلک ابصارهم و خفضوا لذلک الجناح'' (الدر المنثور ص ۳ ج ۵)

ان کا خشوع دل میں ہوتا ہے۔ اس کی بنا پر ان کی آنکھیں جھک جاتیں اور اعضاء ڈھیلے ہو جاتے۔

گویا خشوع کا اصل مرکز دل ہے اور اس کا اثر اعضاء و جوارح پر ہوتا ہے۔
حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: "الخشوع تذلل القلوب لعلام الغیوب"۔ کہ خشوع علام الغیوب کے سامنے دل کی انکساری و عاجزی کا نام ہے (الضوء المنیر ص ۳۰٤ ج ٤) دل کا خشوع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اس کی عظمت و جلال کا رعب دل میں پیدا ہو جائے، اور اعضاء و جوارح کا خشوع یہ ہے کہ سر جھک جائے، آنکھیں نیچی ہو جائیں، اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں بلکہ ان پر لرزا اور کپکپی طاری ہو جائے، آواز دب جائے۔ میدان محشر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ (طه :١٠٨)

اور آوازیں رحمٰن کے آگے دب جائیں گی سر سراہٹ کے سوا تم کچھ نہ سنو گے

قیامت کے روز اللہ ذوالجلال کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم ہوگا۔ جو یہاں نماز نہیں پڑھتے، اپنی جبین نیاز اللہ کے حضور نہیں جھکاتے، وہ قیامت کے دن بھی سجدہ نہیں کر سکیں گے، ان کی کیفیت یہ ہوگی:

﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ﴾ (القلم :٤٣)

ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوگی یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے، اس حال میں کہ وہ صحیح سالم تھے۔

یعنی دنیا میں جب انہیں پوری قدرت حاصل تھی تب تو حکم کی تعمیل میں دانستہ گریز کرتے تھے آج اگر یہ چاہیں بھی تو جھک نہیں سکیں گے۔ (اعاذنا اللّٰه منه)۔ گویا دنیا میں نماز نہ پڑھنے کی ایک سزا میدان محشر میں یہ ہوگی کہ ان کی کمر اکڑ جائے گی، ذلت و رسوائی کے سبب ان کی آنکھیں جھک جائیں گی، مگر جو یہاں اللہ کے حکم پر جھکتے رہے وہ وہاں سرخرو ہوں گے۔ دل جو خشوع کا مرکز و منبع ہے اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كلّه و اذا فسدت

فسد الجسد کله ألا و هی القلب(بخاری ج ا : ص ۱۳ ،مسلم ج ۲ ص ۲۸)

بے شک جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ صحیح ہوتو سارا جسم صحیح ہے اور جب وہ فاسد ہو جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور یہ ٹکڑا دل ہے۔

لہٰذا جب دل میں خشوع ہوگا تو باقی اعضاء وجوارح پر بھی اس کا اثر ہوگا بلکہ آنحضرت ﷺ رکوع میں تو اس حقیقت کا اظہار زبان سے یوں کرتے تھے:

''اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ اَنْتَ رَبِّیْ خَشَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَ مُخِّیْ و عَظْمِیْ وَعَصَبِیْ (مسلم : ج ا ص ۲۷۳ و غیرہ)

اے اللہ! میں نے تیرے لیے رکوع کیا، آپ پر ایمان لایا، آپ کا فرمانبردار ہوا، آپ میرے رب ہیں، آپ کے لیے میرے کان، میری آنکھیں، میری ہڈی کی مخ اور میری ہڈی اور پٹھہ جھکے ہوئے ہے۔

حضرت سعیدؒ بن مسیّب نے دیکھا کہ نماز میں نمازی اپنی داڑھی پر ہاتھ پھر رہا تھا تو انہوں نے فرمایا: "**لو خشع قلب هذا خشعت جوارحه**'' اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا، وہ داڑھی سے نہ کھیلتا۔ کتب تفسیر میں یہ مرفوعاً بھی مروی ہے مگر مرفوعاً سخت ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ جیسا کہ علامہ البانیؒ نے الضعیفہ رقم ۱۱۰ میں فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں خاشعون سے مراد خائفون ساکنون ہے۔ لیکن اگر دل خشوع سے خالی ہو اور محض سر جھکا ہوا ہو تو اسے حضرت حذیفہؓ منافقانہ خشوع سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جب ایسے ہی ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنا سر نیچا کئے ہوئے ہے تو انہوں نے فرمایا سر اونچا کرو خشوع سر میں نہیں دل میں ہوتا ہے۔

(مدارج السالکین ص ۵۵۹ ج ۱)

خشوع کرنے والے

فلاح وفوز پانے والوں کی جو صفات ان آیات مبارکہ میں بیان کی گئی ہیں ان میں سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ ''وہ اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں'' قرآن مجید

ہی میں یہ خشوع ان خوش نصیبوں کا ایک وصف بیان ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بخشش و مغفرت کے مستحق اور اجر عظیم پانے والے ہیں چنانچہ ان کے اوصاف میں ایک وصف ''وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ'' ہے کہ وہ خشوع کرنے والے مرد اور وہ خشوع کرنے والی عورتیں ہیں۔ (الاحزاب: ۳۵) حضرات انبیاء کرام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۹۰)

بے شک یہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرنے والے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے لیے خشوع کرنیوالے تھے۔

انبیاء کرام اور اہل ایمان کے اس وصف کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ہی میں اس کی بھی وضاحت فرمادی گئی کہ جو خشوع کے وصف سے متصف نہیں ان پر نماز کی ادائیگی بڑی مشکل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۴۵)

اور بے شک وہ بہت بھاری ہے مگر خشوع کرنے والوں پر (نہیں)

نماز بلاشبہ بہت مشکل عمل ہے طہارت و پاکیزگی کا اہتمام، اوقات کی پابندی، گھر بار کے مشاغل کو چھوڑ کر مسجد میں حاضری، اور وہ بھی پانچ وقت، بالخصوص عصر، فجر، اور عشاء کی نمازیں پھر سردی گرمی برداشت کرنا، وقت پر دوست و احباب کی مجلسوں کو خیر باد کہنا، بہرحال مشکل ہے۔ مگر خشوع اختیار کرنے والے، لذت مناجات سے آشنا، غلامی کا دم بھرنے والوں کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں۔ وہ ہر حال میں مالک کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے خراماں خراماں حاضری دیتے ہیں اور دربار شاہی میں حاضری لگوا کے فرحاں وشاداں واپس لوٹتے ہیں۔

رفع الیدین خشوع کے منافی نہیں

بعض کم سواد نے خاشعون کے معنی ساکنون سے نماز میں رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت رفع الیدین کو

بھی خشوع کے منافی قرار دیا ہے اور اسکے لیے تنویر المقباس جو تفسیر ابن عباسؓ کے نام سے مطبوع ہے کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یمین و یسار التفات نہیں کرتے اور نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے **ولا یرفعون ایدیھم فی الصلاۃ.**

(تنویر المقباس بر حاشیہ الدر المنثور : ص ۳۲۳ ج ۳)

حالانکہ اس تفسیر کا سلسلہ "**محمد بن مروان السدی عن محمدبن السائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس**" ہے جسے سلسلۃ الکذب قرار دیا گیا ہے۔

(محمد بن مروان جو سدی صغیر کے لقب سے معروف ہے متھم بالکذب ہے (میزان: ص۳۲ ج ۴) اس کا استاد محمد بن سائب الکلبی بھی مشہور سبائی متروک و کذاب ہے (میزان: ص ۵۵۶ ج ۳) ابو صالح نے تو حضرت ابنؓ عباس کو دیکھا نہیں اور کلبی نے ابو صالح سے چند حروف ہی سنے ہیں۔ (میزان: ص ۵۵۹ ج ۳) بلکہ خود کلبی نے کہا ہے کہ میں جو ابو صالح سے نقل کرتا ہوں وہ جھوٹ ہے۔ (میزان: ص ۵۵۷ ج ۳) مگر افسوس کہ اس سلسلہ کذب پر مبنی تفسیر سے ایک متواتر عمل کو خشوع کے منافی قرار دینے میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی۔ حالانکہ علامہ کشمیریؒ نے فرمایا ہے: کہ رفع الیدین روایۃ وعملاً متواتر ہے۔ (نیل الفرقدین: ص ۲۲، معارف السنن: ص ۴۵۹ ج ۴، حاشیہ فیض الباری: ص ۲۵۵ ج ۲)۔ حضرت عبد اللہؓ بن عمر، نعمانؓ بن ابی عیاش اور امام احمدؒ اسے نماز کی زینت قرار دیتے ہیں۔ (التمہید: ص ۲۲۵ ج ۹، مناقب احمد لابن الجوزی: ص ۱۱۹)۔ امام شافعیؒ اسے اللہ کی تعظیم قرار دیتے ہیں۔ (الام: ص ۹۱ ج ۱، بیہقی ۸۲ ج ۲) اور حضرت عقبہ بن عامرؓ ہر رفع الیدین کے بدلہ دس نیکیوں کے ملنے کا مژدہ سناتے ہیں۔ (مسائل امام احمد، مجمع الزوائد: ص ۱۰۳ ج ۲ وغیرہ)۔ مگر ضد و تعصب کے ماروں کو یہ خشوع کے منافی نظر آتی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

نماز میں خشوع

نماز میں خشوع کا کیا حکم ہے یہ فرض ہے یا نماز کے فضائل میں سے ہے؟ اس کے بارے علماء امت کے اقوال مختلف ہیں، بعض نے اسے فرائض میں شمار کیا اور بعض نے

فضائل میں۔علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں : "والصحیح الاول" پہلاقول صحیح ہے۔ (تفسیر قرطبی ص۱۰۴ج۱۲)۔عموماً فقہاء کرام نے اسے مستحب اور فضائل کے درجہ میں رکھا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے تو یہ نقل کیا ہے کہ ہمارے استاذ امام علامہ کشمیری نوراللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے: کہ نماز میں خشوع خضوع مسئلہ ظاہر ہے کہ قرآنی مطالبہ ہے لیکن فقہ کی کتابوں میں سالہا سال سے تلاش کرر ہاہوں کہ فقہاء نے اس مسئلہ کا کہیں اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے یانہیں ،فرماتے ہیں: کہ مدت کے بعد ایک غیر مطبوعہ کتاب میں صرف ایک فقرہ ملا کہ نماز کے مستحبات میں یہ بھی ہے۔واقعہ وہی ہے کہ فقہاء نے اسلام کے قالب پر اپنی بحث کا موضوع بنایا۔اسی لئے صرف انہی عناصر کا ذکر اپنی کتاب میں کرتے ہیں جن سے اس اسلامی قالب کی تعمیر میں مدد ملتی ہے باقی اسلام کا قلب اوراس کی روح اس کے عناصر واجزاء یہ بالکلیہ جداگانہ چیزیں ہیں۔کتاب وسنت کا جوحصہ ان پر مشتمل ہے فقہاء نے اپنی کتابوں میں دین کے اس حصہ پر بحث کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا ہے،مثلاً روزے کے مسائل میں آپ کو ہر فقہی کتاب میں یہ مسئلہ ملے گا کہ غیبت کرنے سے روزنہیں ٹوٹتا یعنی روزے کا قالب متاثر نہیں ہوتا لیکن کون نہیں جانتا کہ روزے کا قلب اوراس کی روح غیبت سے نکل جاتی ہے صحیح حدیثوں میں پیغمبر ﷺ نے اس کی تصریح کی ہے

(مقالات احسانی : ص۱۸۸ حاشیہ)

مولانا گیلانیؒ کا شمار اکابر علمائے دیوبند میں ہوتا ہے۔معلوم نہیں ان سے علامہ کشمیریؒ کے حوالے سے یہ بات نقل کرنے میں چوک ہوئی یافی الواقعہ علامہ کشمیریؒ نے یوں ہی فرمایا کہ ''مدت کے بعد ایک غیر مطبوعہ کتاب میں صرف ایک فقرہ ملا کہ نماز کے مستحبات میں یہ بھی ہے'' حالانکہ الاشباہ والنظائر، بدائع الصنائع اور ردالمحتار ص۲۵۸ج۱ میں خشوع کو مستحبات صلاۃ میں لکھا ہے۔مگر غور فرمایئے کہ مستحب کہا تو خشوع کی حیثیت کیا رہی جبکہ مستحب کے بارے میں کہا گیا ہے: **الثواب علی الفعل و عدم اللوم علی الترک** کہ اس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر ملامت نہیں (ردالمحتار: ص۱۲۳ج۱)

بلاشبہ حضرات فقہائے کرام نے جسمانی خشوع سے متعلقہ امور سے تو بحث کی

مگر وہ خشوع جس کا تعلق قلب وروح سے ہے اس پر انہوں نے چنداں بحث نہیں کی اور نہ ہی یہ ان کا موضوع ہے جیسا کہ مولانا گیلانیؒ نے ذکر کیا ہے۔

جسمانی خشوع سے متعلق مثلاً نماز میں سراوپر اٹھا کر نہ دیکھے، التفات نہ کرے، عبث حرکات سے اجتناب کرنے کا ذکر انہوں نے کیا اور بعض امور کو انہوں نے نماز کے باطل ہونے کا سبب قرار دیا، مگر ان مباحث کا تعلق خشوع سے نہیں نماز میں بعض حرکات کے جواز وعدم جواز سے ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں خشوع قلب کے حوالے سے علامہ شوکانی نے نقل کیا ہے کہ:

و ادعی عبد الو احد بن زید اجما ع العلما ء علی انه لیس للعبد الا ما عقل من صلا ته (فتح القدیر: ص ۴۵۹ ج۳)

عبدالواحد بن زیدؒ نے اہل علم کے اجماع کا دعوی کیا ہے کہ بندہ کے لیے بس اسی قدر ہے جسقدر اپنی نماز میں عقل وفکر رکھتا ہے۔

علامہ شوکانیؒ نے اسی کی تائید کی اور اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں تدبر کرنے کا حکم دیا ہے اور تدبر معنی ومفہوم کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا کہ **اقم الصلوة لذکری** میری یاد کے لئے نماز پڑھیں۔ جبکہ نماز میں غفلت ذکر اور یادالہی کے منافی ہے اور اسی بنا پر فرمایا گیا ہے **و لا تکن من الغا فلین** کہ آپ غافلوں میں سے نہ ہوں۔ نماز جو یادالہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے وہی اگر غفلت کا شکار ہو جائے تو یادالہی کیسی؟ اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ:

﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾

(النساء:۴۳)

نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ جو تم کہتے ہو اسے جان جاؤ۔

غور فرمایئے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی اس لیے ممانعت ہے کہ نشہ کی حالت میں تمہیں معلوم نہیں کیا پڑھ رہے ہو، اس لیے نماز تب پڑھو جب ہوش وحواس

قائم ہوں اور تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو، ہماری نماز کا یہ حال ہے کہ ہم نشہ میں بھی نہیں ہوتے تب بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں ۔ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

المستغرق فی هموم الدنیا بمنزلته -

کہ جو دنیا کے ہموم میں مستغرق ہوتا ہے اس کی حالت نشہ کی طرح بے خبری کی ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

ان احدکم اذا قام الی الصلاة فإنما یناجی ربّه' -

کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے

ظاہر ہے کہ جب تلک نماز کے معانی ومفہوم معلوم نہ ہو مناجات نہیں ہوتی ۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے

الا فی الصلاة الخیر والفضل أجمع	لان بها الآراب لله تخضع
واول فرض من شریعة دیننا	وآخر ما یبقی اذا الدین یرفع
فمن قام للتکبیر لاقته رحمة	وکان کعبد باب مولاه یقرع
وصار لرب العرش حین صلاته	نجیاً فیا طوباه لو کان یخشع(قرطبی)

خبردار! نماز میں تمام خیر وفضل جمع ہیں کیونکہ اسی نماز کی بدولت تمام اعضاء اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں ۔ نماز ہمارے دین وشریعت میں پہلا فرض ہے اور جب دین اٹھالیا جائے گا تو سب سے آخر میں یہی نماز ہوگی ۔ جو تکبیر کہتا ہوا کھڑا ہوتا ہے اللہ کی رحمت کا مستحق بن جاتا ہے اور وہ ایسے ہوتا ہے جیسے غلام اپنے مولا کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو ۔ اور وہ رب عرش عظیم سے نماز میں مناجات کرنے والا ہوتا ہے، اسے مبارک ہو، کاش وہ خشوع سے نماز ادا کرنے والا ہو ۔ حضرت محدث روپڑی نور اللہ مرقدہ مزید اس بارے میں فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کے باب **الوضوء من النوم** میں حدیث ہے:

اذا نعس احدکم وهو یصلی فلیرقد حتی یذهب عنه النوم

یعنی جب تم میں سے کسی کو نماز میں اونگھ آجائے تو نماز چھوڑ کر سو جائے یہاں تک کہ اس سے نیند دور ہو جائے

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ''مشہور'' یہ ہے کہ اونگھ اور نیند میں فرق ہے، جس کے حواس اس طرح ٹھہر گئے کہ کلام سنے اور معنی نہ سمجھے اس کو اونگھ والا کہتے ہیں، اور جو اس پر زیادہ ہو جائے (کلام بھی نہ سنے) اسکو سونے والا کہتے ہیں، جو لوگ معنی نہیں جانتے ان کی حالت بالکل اونگھنے والے کی سی ہے جب اونگھ کی حالت میں نماز منع ہے، تو ان کی نماز کیسے درست ہوگی۔ (فتاوی اہلحدیث: ص۱۱۹ ج۲)

اسی طرح دعا کی قبولیت کی ایک شرط یہ ہے کہ حاضر دل سے دعا کی جائے، اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتے جیسا کہ مسند امام احمد: ص ۱۷۷ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ:

فان الله لا يستجيب لعبد دعاه عن ظهر قلب غافل

علامہ منذریؒ اور ھیثمیؒ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے (صحیح الترغیب: ج ۲ ص ۲۸۶)

لہٰذا جب غافل دل سے کی ہوئی دعا قبول نہیں تو غافل دل سے پڑھی ہوئی نماز کیونکر قبول ہوگی؟

حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الـر جـل لينـصـرف ومـا كتب له الا عشر صلا ته تسعها ثمنها سبعها سدسهاخمسها ربعها ثلثها نصفها۔

(ابو داود، نسائی، ابن حبان، صحیح التر غیب: ج ۱ ص ۳۵۲)

آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور نہیں لکھا جاتا اس کے لیے مگر نماز سے دسواں حصہ، نواں حصہ، آٹھواں حصہ، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تیسرا حصہ اور اس کا نصف حصہ۔

گویا جس قدر توجہ اور اہتمام سے نماز پڑھے گا اسی قدر اسے ثواب ملے گا۔

امامؒ نسائی نے اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو السلمیؓ سے بھی سند حسن

کے ساتھ نقل کی ہے۔ (صحیح الترغیب: ج ا ص ۳۵۲) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رب صائم لیس له من صیامه الا الجوع ورب قائم لیس له من قیامه الا السهر (ابن ماجه، ابن خزیمة . نسائی، صحیح الترغیب: ج ا ص ۷۵۲)

کتنے روزہ دار ہیں جنہیں سوائے بھوک کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور کتنے شب زندہ دار ہیں جنہیں بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

گویا قبولیت کے لیے ظاہری قالب ہی کی نہیں بلکہ قلب وروح کی بھی ضرورت ہے جو نماز اس سے خالی ہوگی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا درجہ نہیں پائے گی۔

قبولیت کے درجات

ہر عمل کی قبولیت کے تین درجے ہیں

(۱)۔ قبولیت سے مراد اس پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور عمل کرنے والے کی تعریف کہ فرشتو! دیکھو میرا بندہ یہ عمل کر رہا ہے۔

(۲)۔ اس سے مراد اس کا اجر وثواب ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوکر اپنے انعام و اکرام سے نوازتے ہیں۔

(۳)۔ اس سے مراد بس فرض کی ادائیگی ہے کہ وہ حکم بجالایا، اس کے ذمہ جو فرض تھا وہ اس نے پورا کر دیا، لیکن اس کے نتیجہ میں اسے کوئی اجر وثواب حاصل نہیں ہوگا۔

(جامع العلوم والحکم: ص ۸۷)

اس لیے جس قدر نماز حضور قلب اور خشوع وخضوع کے مطابق ہوگی اسی قدر اسے اجر وثواب ملے گا جیسا کہ حضرت عمارؓ بن یاسر کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

یہی نماز مقصود ہے

نماز کو وقت پر ادا کرنا اور وسواس سے بچ کر خشوع وخضوع اور اطمینان ودلجمعی سے نماز پڑھنا ہی اصل نماز ہے اور یہی نماز اللہ تعالیٰ کی رضا اور بخشش کا باعث ہے، چنانچہ

حضرت عبادہؓ بن صامت سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خمس صلوات افترضهن الله عزوجل من احسن وضوئهن و صلاهن لوقتهن و اتم ركوعهن و سجودهن و خشوعهن كان له على الله عهد اَن يغفر له و من لم يفعل فليس له على الله عهد اِن شاء غفر له و اِن شاء عذبه (موطأ، ابوداود، نسائی، ابن حبان، صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۲۷۱، ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو ان کے لیے اچھا وضو کرتا ہے، انہیں وقت پر ادا کرتا ہے، ان کا رکوع، سجود، اور خشوع پورا کرتا ہے، اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کو بخش دے گا اور جو یہ نہیں کرے گا اس کے لیے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں، چاہے اسے معاف کر دے چاہے عذاب میں مبتلا کردے۔

حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من توضأ فأحسن الوضوء ثم قام فصلى ركعتين (او اربعاً يشك سهل) يحسن فيهن الذكر والخشوع ثم يستغفر الله غفر له۔

(احمد، صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۲۱۱)

جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر دو رکعتیں پڑھیں (یا چار سھل راوی کو اس میں شک ہے) ان میں اچھی طرح ذکر کیا اور خشوع کیا پھر اللہ سے بخشش طلب کی اسے بخش دیا جائے گا

حضرت عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من مسلم يتوضأ فيسبغ الوضوء ثم يقوم فى صلاته فيعلم ما يقول الا انفتل و هو كيوم ولدته امه.

(حاکم وقال صحیح الاسناد، صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۱۹۵)

جو مسلمان وضو کرتا ہے تو وہ اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر اپنی نماز میں لگ جاتا ہے، جو وہ کہتا ہے اسے سمجھتا ہے، نماز سے فارغ ہوتا ہے تو وہ اس طرح ہوتا ہے کہ اسے آج ہی اس کی ماں نے جنا ہے۔

یہ روایت صحیح مسلم وغیرہ میں بھی ہے مگر اسکے الفاظ ہیں: "ثم يقوم فيركع

رکعتین یقبل علیھما بقلبه و وجھه الا قد أو جب'' کہ پھر وہ کھڑا ہو کر دو رکعتیں پڑھتا ہے اور ان دونوں میں اپنے دل و چہرے سے متوجہ رہتا ہے تو اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (صحیح الترغیب: ج۱ ص۲۸۳)

دل سے متوجہ ہونے سے مراد ظاہر ہے کہ دل کا خشوع ہے اور چہرے سے متوجہ ہونے سے مراد ظاہری اعضاء ہیں، کیونکہ خشوع کا تعلق اعضاء و جوارح اور دل کا دونوں سے ہے اور یہ تبھی ہوگا جب اسے یہ بھی معلوم ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ یہ اور اس موضوع کی دیگر روایات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اصل نماز جس سے اللہ کی رضا اور بخشش و مغفرت حاصل ہوتی ہے وہ ہے جو خشوع و خضوع سے ادا کی جائے، جس قدر اس میں کمی ہوگی اسی قدر ثواب کم ملے گا۔

خشوع کا ختم ہونا

جس طرح بہت سے امور خیر زمانہ خیر القرون کے بعد ختم ہوتے چلے گئے اسی طرح نماز میں خشوع وخضوع بھی جاتا رہا۔ بلکہ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اول شیء یرفع من ھذہ الامة الخشوع حتی لا تری فیھا خاشعًا

(طبرانی باسناد حسن، صحیح الترغیب: ص ۳۵۴ ج ۱)

اس امت میں سب سے پہلے خشوع اٹھالیا جائے گا یہاں تک کہ اس میں کوئی خشوع کرنے والا نہیں ملے گا۔

حضرت حذیفہؓ بیان فرماتے ہیں سب سے پہلے دین سے جانے والا عمل خشوع ہوگا اور سب سے آخر میں نماز بھی پڑھنے والا نہیں ہوگا، کتنے نمازی ہیں جن میں کوئی بھلائی نہیں، مستقبل قریب میں تم مسجد میں جاؤ تو کوئی خشوع کرنے والا نہیں دیکھو گے۔ (الضوء المنیر)

حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بھی فرمایا:

یوشک ان تدخل مسجد الجامع فلا تری فیه رجلا خاشعاً۔

(الترمذی)

عنقریب تم جامع مسجد میں جایا کرو گے اور وہاں کسی کو خشوع کی حالت میں نہیں

دیکھو گے۔

خشوع ختم کرنے کے ظاہری اسباب

نماز اطمینان اور خشوع وخضوع سے ادا کرنے کا ہی تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام امور کی ممانعت فرمائی ہے جو نماز میں خلل کا باعث بنتے ہیں، مثلاً:

(۱)۔ جب بول و براز کی ضرورت ہو تو پہلے قضائے حاجت سے فارغ ہو لے پھر نماز پڑھے، چنانچہ حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا یقوم الی الصلاۃ و ھو حاقن" (ترمذی: ص ۲۸۵ ج ۱ و حسنہ)

جب سخت پیشاب کی حاجت ہو تو نماز نہ پڑھے۔

پہلے بول و براز سے فارغ ہو جائے تا کہ اطمینان قلب سے نماز پڑھی جا سکے۔ اس کی تائید بعد کی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۲)۔ جب بھوک لگی ہو، کھانا سامنے رکھا ہوا ہو تو پہلے کھانا کھا لینا چاہیے چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذاحضر العشاء و اقیمت الصلاۃ فابدؤا بالعشاء۔

(ترمذی: ج ۱ ص ۲۸۳)

جب شام کا کھانا حاضر ہو اور نماز کی اقامت ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ۔

صحیح بخاری میں **"اذ قدم العشاء"** کے الفاظ ہیں کہ جب کھانا سامنے ہو تو پہلے کھانا کھاؤ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ:

ان لا یقوم الرجل اِلی الصلاۃ وقلبہ مشغول بسبب شیء۔

انسان کا دل جب کسی چیز کی طرف مشغول ہو تو نماز نہ پڑھے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا صلاۃ بحضرۃ طعام ولا و ھو یدافعہ الا خبثان۔

(مسلم: ج ۱ ص ۲۰۸)

یعنی جب کھانا حاضر ہو تو نماز نہ پڑھو اور نہ ہی اس وقت جب بول و براز اس کو روک

رہے ہوں۔

یہ اور اسی موضوع کی دیگر احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کھانا سامنے ہو اور بھوک لگی ہو تو پہلے کھانا کھالینا چاہیے، پھر اطمینان سے نماز پڑھنی چاہیے۔

(۳)۔ جب نیند کا غلبہ ہو اور انسان اونگھ رہا ہو تو پہلے سو جانا چاہیے، پھر اٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا نعس احدکم وھو یصلی فلیرقد حتی یذھب عنه النو م۔

(بخاری مع الفتح :ص ۳۱۳ ج ۱)

جب نماز کی حالت میں کوئی اونگھ رہا ہو تو اسے چاہیے وہ سو جائے تا آنکہ اس سے نیند دور ہو جائے۔

مقصد یہاں بھی یہی ہے کہ نیند نماز کی صحیح ادائیگی میں خلل کا باعث ہے۔ نیند یا اونگھ کی حالت میں اسے معلوم نہیں کہ کیا پڑھ رہا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اذا نعس احدکم فی الصلا ة فلینم حتی یعلم ما یقرأ. (بخاری)

جب کوئی نماز میں اونگھ رہا ہو تو اسے سو جانا چاہیے تا آنکہ اسے معلوم ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔

بلکہ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں:

من فقه الرجل اقباله علی حاجته حتی یقبل علی صلا ته و قلبه فار غ. (بخاری)

آدمی کی سمجھ دار ہونے کی ایک یہ علامت ہے کہ وہ اپنی حاجت پوری کر لے تا کہ اپنی نماز پر متوجہ ہو اور اس کا دل فارغ ہو۔

اس لیے جو چیز نماز میں غفلت اور دل میں تشویش کا باعث بنے اس سے فارغ ہو کر نماز ادا کرنی چاہیے۔

خشوع کے اسباب و ذرائع

نماز میں خشوع و خضوع کس طرح حاصل ہو، اسکے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اس حوالے سے سب سے پہلے یہ ملحوظ خاطر رہے کہ نمازی جب وضوء کرے تو پوری توجہ سے

وضوء کرے۔ اسکے قلب وفکر میں یہ بات رچ بس جانی چاہیے کہ میں اپنے مہربان رب، رب العالمین کے دربار میں حاضر ہو رہا ہوں اور اس کے دربار میں حاضری کا پہلا مرحلہ پاکیزگی وطہارت ہے۔ ایک ایک عضو کو دھوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے فرامین پیش نگاہ رکھے کہ ہاتھ اور چہرہ ہی نہیں دھل رہا بلکہ رب رحمٰن ورحیم کے فضل وکرم سے گناہ بھی دھل رہے ہیں۔ یوں سارے اعضاء کو پورے دھیان سے ظاہری وباطنی نجاست سے پاک صاف کرے۔ وضوء کے بعد دعائے مسنون کی روح بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ.

(ترمذی: رقم۵۵)

الٰہا! مجھے توبہ کرنے والوں اور طہارت حاصل کرنے والوں میں کردے۔

یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان اوصاف کے حاملین سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ. (البقرہ: ۲۲۲)

بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اور یہ اسی کی محبت وشفقت کا نتیجہ ہے کہ اپنے دربار میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی ہے، پھر جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو نیت کا دل میں اظہار کر کے تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہے اور سینہ پر ہاتھ باندھ لے نماز میں ہاتھ باندھنا بھی عجز وانکساری کی علامت ہے، اور جب ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جائے تو سمجھے کہ آج یہاں مناجات کے لیے رب کے حضور کھڑا ہوں تو کل روز قیامت بھی اس کے حضور کھڑا ہونا ہے، یہاں اظہار بندگی کرلوں تا کہ کل سرخرو ہو جاؤں۔ اسی تصور کے ساتھ ساتھ یہ سمجھے کہ میں کائنات کے مالک کے سامنے کھڑا ہوں اور وہ میری ہر ادا اور ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے اور میرے ایک ایک حرف کو سن رہا ہے اسی تصور کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان تعبد اللہ کا نک ترا ہ ،فان لم تکن تراہ فانہ یراک.

(مسلم: ج ا ص ۲۷)

کہ تم اللہ کی یوں عبادت کرو کہ تم گویا اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم دیکھ نہیں رہے وہ تو

تمہیں دیکھ رہا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کی عبادت کرتے ہوئے یہ سمجھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور گویا انہیں دیکھ رہا ہوں جس طرح محبوب پر نظر پڑے تو محبّ پوری توجہ اور پیار بھرے انداز سے محبوب کو دیکھتا رہتا ہے، ادھر ادھر جھانکنے یا کسی اور طرف التفات کرنے کی جسارت نہیں کرتا۔ مگر مت بھولے کہ یہ محبوب فانی، اس سے محبت بھی فانی صحیح محبوب تو وہ جو حیّی قیّوم ہے جس کی محبت دائمی وسرمدی ہے جو مالک الملک ہے، رب العالمین ہے، الرحمٰن الرحیم ہے، جو آج یہاں چشم تصور سے اسے دیکھتا ہے اس کے مشاہدہ سے سرشار ہوتا ہے اور محبوب رب العالمین ﷺ کی طرح پکار اٹھتا ہے کہ: "اللهم اِنی اسئلک لذة النظر الی وجهک" الٰہا! میں آپ سے آپ کے رخ انور کو دیکھنے کی لذت کا سوالی ہوں، وہ کل یقیناً اپنے محبوب کو اپنے سامنے پائے گا اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا، جسے مشاہدہ حق کا تصور پختہ ہو جائے، ظاہر ہے وہ پورے انہاک سے نماز ادا کرے گا اور خشوع وخضوع کے تمام تر تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرے گا۔ مگر یہ بہرحال بڑا مشکل مرحلہ ہے اسی لیے تو فرمایا کہ اگر یوں نہ سہی تو یہ خیال رکھو کہ محبوب تو دیکھ رہا ہے وہ میری ہر ہر حرکت اور ادا کو دیکھ رہا ہے میرے ظاہر و باطن پر مطلع ہے مراقبہ الٰہی کے اس تصور سے مقصود بھی خشوع وخضوع ہے۔

نماز میں التفات کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِذا صليتم فلا تلتفتوا فاِن الله ينصب وجهه لوجه عبده فى صلاته ما لم يلتفت. (ترمذی، حاکم، صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۳۵۸)

جب تم نماز پڑھو تو ادھر ادھر مت جھانکو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی توجہ اپنے بندے کی طرف اس وقت تک کیے رکھتے ہیں جب تک وہ اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا۔

اسی طرح حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یزال اللہ مقبلا علی العبد فی صلاتہ ما لم یلتفت فاذا صرف وجھہ انصرف عنہ. (ابو داود ،ابن خزیمۃ ،ابن حبان، صحیح الترغیب :ج ۱ ص ۳۲۰)

جب تک نمازی ادھر ادھر نہیں جھانکتا اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں جب نمازی التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی توجہ اس سے پھیر لیتے ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر ادھر ادھر جھانکنا جہاں سوءادب ہے وہاں نماز میں خشوع کے بھی منافی ہے خود آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب آپ نماز پڑھتے ''طأ طأ رأسہ'' اپنا سر مبارک جھکا لیتے (حاکم: ج ۲ ص ۳۹۳ ،بیہقی: ج ص ۲۔ص ۲۸۳) اور اپنی نگاہ زمین کی طرف مرتکز کر دیتے۔

جب آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے ادب واحترام کا یہ عالم تھا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں:

ما خلف بصرہ موضع سجودہ حتّٰی خرج منہ.

(حاکم :ج ۱ ص ۴۷۹ ،بیہقی: ج ۵ ص ۱۵۸)

آپ کی نگاہ مبارک سجدہ کی جگہ سے نہیں پھری تا آنکہ آپ باہر نکل آئے۔

تشہد کی حالت میں آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے اشارہ توحید کرتے اور آپ ﷺ کی نگاہ اشارہ سے تجاوز نہ کرتی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ:

لا یجاوز بصرہ اشارتہ. (ابو داود: ج ۱ ص ۲۷ ۳ رقم ۹۸۷ ، نسائی وغیرہ)

آپ ﷺ کی نگاہ اشارہ سے تجاوز نہیں کرتی تھی۔

بلکہ آپ ﷺ نے التفات یعنی گوشہ چشم سے جھانکنے کو ''اختلاس شیطان'' اور ''التفات ثعلب'' (کہ یہ شیطان کا جھپٹنا اور لومڑی کا جھانکنا ہے) سے تشبیہ دیکر اس سے نفرت کا اظہار فرمایا۔ (احمد، ابویعلی)

اس لیے نماز کی حالت میں ادھر ادھر جھانکنا یا سامنے کا نظارہ کرنا خشوع کے منافی ہے جس سے بہر نوع اجتناب کی کوشش کرنی چاہیے۔

ترتیل قرآن اور تصحیح حروف

نماز اپنے رب سے مناجات کرنے اور اپنی حاجات کو اس کے حضور پیش کرنے کا ذریعہ ہے چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: کہ نمازی "ینا جی ربہ" اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔ مناجات کے معنی ہیں: سرگوشی کرنا۔ جس میں اپنی عاجزی و بے کسی کے اظہار کے ساتھ ساتھ کچھ مانگنے اور طلب کرنے کا پہلو پایا جاتا ہے۔ گویا نمازی اپنے رب کی ثنا خوانی کرتا ہے اور اس کی جناب سے کچھ طلب کرتا ہے۔ مناجات کے یہ صورت سورۂ فاتحہ میں ''عیاں راچہ بیاں'' کا مصداق ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نمازی ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَا لَمِيْنَ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالی فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری حمد بیان کی، جب وہ ﴿ اَلرَّ حْمٰنِ الرَّ حِيْمِ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری تعریف کی، جب وہ کہتا ہے: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّ يْنِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، جب وہ کہتا ہے ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میں اپنے بندے کو دوں گا جو وہ طلب کرے گا۔ چنانچہ طلب مدعا کے لیے جب بندہ یہ التجا کرتا ہے کہ: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَا طَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ تو اللہ تعالی فرماتے ہیں: یہ میرے بندے کے لیے ہے۔ اس کے لیے وہی کچھ ہے جو وہ سوال کرتا ہے۔ (مسلم: ج۱ص۱۷۰)

گویا نماز یک طرفہ معاملہ نہیں بلکہ اس کا ایک سرا بندہ وغلام سے متعلق ہے تو دوسرا مالک وآقا سے۔ اسی حوالے سے آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

یا فلان! ألا تتقی الله ، ألا تنظر کیف تصلی؟، اِن أحدکم اِذا قام یصلی اِنمایقوم یناجی ربه فلینظر کیف یناجیه.

(ابن خزیمة حاکم، صحیح الترغیب :ص ۳۵۴ ج ۱)

اے فلاں! تو اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں ڈرتا، کیا تو نہیں خیال کرتا کہ نماز کس طرح

پڑھتا ہے، تم میں سے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، اسے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس طرح مناجات کرتا ہے۔

اس لیے مناجات کا تقاضا ہے کہ نماز پوری توجہ سے پڑھی جائے اسکا ایک ایک لفظ حروف و معنی کا خیال رکھ کر پڑھا جائے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں اور میرا مدعا کیا ہے، نماز میں تکبیر و تسبیح و دعا کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے، قرآن مجید کی تلاوت کا بھی ایک تقاضا ہے کہ اسے ترتیل سے پڑھا جائے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے ﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴾ کہ قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھو۔ یعنی آہستہ آہستہ الفاظ زبان سے ادا کرو تیز تیز نہ پڑھو۔

حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ ہر آیت کو الگ طور پر پڑھتے، اور ہر آیت پر ٹھہرتے اور وقف کرتے تھے مثلاً ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَا لَمِيْنَ ﴾ پڑھ کر رک جاتے پھر ﴿ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ پڑھتے تو اس پر وقف فرماتے، پھر ﴿ مَا لِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ پڑھتے تو ٹھہر جاتے۔ (ابوداود، ترمذی، مشکوۃ: رقم ۲۲۰۵)

الفاظ کی ادائیگی میں لغت عرب کے مطابق مخارج کا اہتمام کرنا چاہیے اور پڑھتے ہوئے یہ بات مستحضر رہنی چاہیے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں، قرآن مجید خواہ آہستہ ہی پڑھا جائے زبان اور ہونٹوں کی حرکت کے بغیر صحیح طور پر پڑھا ہی نہیں جا سکتا۔ بعض حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چپ چاپ کھڑے ہیں یا دل ہی دل میں پڑھ رہے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ ظہر و عصر میں پڑھتے تو آپ کی داڑھی مبارک ہلتی تھی اور صحابہ کرام ؓ سمجھتے تھے کہ آپ پڑھ رہے ہیں۔ (بخاری: ج ا ص ۱۰۵)

حضرات فقہاء کرام میں اختلاف ہے کہ کم از کم آہستہ قراءت کیسے ہوتی ہے؟ بعض نے کہا کہ الفاظ کو زبان سے صحیح ادا کرنا آہستہ پڑھنا ہے اور بعض نے کہا ہے کم از کم آہستہ قراءت یہ ہے کہ پڑھنے والے کے الفاظ اس کے کان سنیں صرف تصحیح حروف کافی نہیں، اکثر فقہائے حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ کا یہی قول ہے۔

لٰہذا جب آہستہ پڑھنے کی صحیح تر صورت یہ ہے کہ پڑھنے والے کے کان سنیں تو اس

اہتمام کے ساتھ قرآن مجید کی قراءت تسبیح وتکبیر وغیرہ کی ادائیگی یقیناً خشوع کے لیے مدد
معاون ثابت ہوگی اور اگر مزید اس کے ساتھ ساتھ آیات وتسبیحات اور کلمات دعا کے معانی
ومفہوم کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو ان شاءاللہ اس سے مزید خشوع وخضوع میں اضافہ ہوگا۔بعض
حضرات تلاوت کرتے ہوئے یا تسبیح ودعا پڑھتے ہوئے عجلت کا شکار ہو جاتے ہیں، الفاظ کا
معاذ اللہ کترا اور کچرا کرتے ہیں اور یوں کلام الٰہی کو بگاڑنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق انہیں دیکھنا چاہیے ''کیف ینا جیه'' کہ
وہ اپنے رب سے مناجات کیسے کرتے ہیں، یہ مناجات ہے یا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث؟
اسی طرح عموماً حضرات جھراً نماز پڑھتے، پڑھاتے ہوئے تو ترتیل قرآن کا اہتمام کرتے
ہیں مگر جب آہستہ پڑھتے ہیں تو عجلت کا مظاہرہ کرتے ہیں، بھلا یہ بھی کیا سلیقہ ہوا کہ جب
اللہ تعالیٰ کے بندے سن رہے ہوں تو پورے سلیقے وطریقے سے پڑھا جائے، مگر جب صرف
اللہ تعالی سننے والے ہوں تو جلدی جلدی اس سے فارغ ہولے، بتایئے محبت ومناجات اسی
کا نام ہے؟ لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ نماز خشوع وخضوع سے ادا کی جائے تو ترتیل قرآن اور
کلمات تسبیح وتکبیر وغیرہ کو صحیح طور پر ادا کرنے کی سعی بلیغ کریں۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضی.

ارکان نماز کی ادائیگی

اسی طرح نماز کے دیگر ارکان کی ادائیگی بھی پوری توجہ سے کی جائے رکوع جاتے
ہوئے تصور کرے کہ اللہ کی کبریائی کے یہ کب لائق ہے کہ میں کھڑا ہی رہوں، بلکہ سر جھکا کر
ٹیڑھا ہو کر اس کی عظمت کا اعتراف کروں اور '' سبحا ن ربی العظیم '' کا ترانہ بار بار
کہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کبریائی کا اعتراف اور اپنی عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے
ہوئے بڑے پرامید لہجے میں ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے
کہ اللہ اپنے تعریف کرنے والے کی دعا سنتا ہے، مجھ سے گو اس کی کبریائی کا اظہار کما حقہ
نہیں ہو سکا مگر اس مالک کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندئے کی دعا سنتا ہے، اس لیے پکار اٹھتا
ہے ''ربنا لک الحمد'' کہ اے ہمارے پروردگار حمد وثنا کا تو ہی حق دار ہے، ہم جتنی بھی

تعریف کریں تیری شان سے بہت کم ہے پھر تکبیر کہتا ہوا سجدہ میں جائے، سجدہ میں اظہار ذلت وانکساری کی انتہاء ہے اور " سبحا ن ربی الا علی " میرا رب پاک بڑی شان والا ہے، کہتا ہوا اللہ کی عظمت و رفعت کا اقرار کرے، مومن اسی اظہار تذلل میں آنکھوں کی ٹھنڈک پاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے گویا اللہ تعالیٰ کے قدموں میں سر رکھ دیا، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

سر در قدمش بردن ہر بارچہ خوش باشد
راز دل خود گفتن بایارچہ خوش باشد

ٹوٹے ہوئے دل سے جب جبین نیاز جھکا دی، اور ٹوٹے دلوں کے تو وہ پہلے ہی قریب ہوتا ہے، مگر بندہ اپنی باعزت پیشانی اس کی رضا کے لیے اس کے قدموں میں رکھ دیتا ہے تو اسے اس سے سہارا مل جاتا ہے کہ اس کے محبوب ﷺ نے فرمایا ہے:

اقرب ما یکو ن العبد من ربه و هو سا جد. (مسلم: ج ۱ ص ۱۹۱)

کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب تب ہوتا ہے جب سجدہ کرتا ہے۔

بلکہ خود رب رحیم وکریم نے فرمایا کہ:

" وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ " سجدہ کر اور قریب ہو جا۔ (العلق: ۱۹)

تو سجدہ میں وہ دعائیں پڑھتا ہے جن میں اللہ کی بزرگی وعظمت کا اظہار ہوتا ہے، چنانچہ ایک دعا کے یہ الفاظ ہیں:

سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوتِ وَ الْمَلَكُوتِ وَ الْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ. (ابو داود: ج ۱ ص ۳۲۵، النسائی: ج ۱ ص ۱۲۵)

پاک ہے وہ جو انتہائی قہر وتصرف واختیار اور بزرگی وعظمت والا ہے۔

یوں پیشانی اور ناک خاک آلود کر کے اپنے مولیٰ کی عظمت وکبریائی کا اعتراف کرتا ہے۔ تو دل کا غبار ہلکا محسوس کرتا ہے: چنانچہ جب کچھ دل کا غبار اترا تو اللہ اکبر کہتا ہوا بیٹھ جاتا ہے اور عرض کرتا ہے، کہ بس ایک ہی سوال ہے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ کہ الٰہا! مجھے معاف فرمادے، اظہار بندگی میں کمی رہ گئی تیری کبریائی کے اظہار میں یقیناً کوتاہی ہوئی، الٰہا! بس

معاف فرما دیجئے، پھر وفور جذبات میں کہ ابھی جی نہیں بھرا دوبارہ محبوب کے قدموں میں گر جاتا ہے اور اپنی بندگی اور اللہ کی کبریائی کا اظہار کرتا ہے، اسی تصور سے باقی رکعتیں پوری کرتا ہے۔

آخر میں تشہد بھی معنوں کا خیال کرتے ہوئے پڑھے کہ میرا سب کچھ اللہ پہ قربان میری زبان میرا بدن میرا مال سب اللہ کے لیے ہے۔

ترکِ جان و ترکِ مال و ترکِ سر
در طریق عشق اول منزل است

تشہد کے آخر میں کلمہ شہادت اس لیے کہ جب تلک توحید ورسالت کی تصدیق نہ ہو یہ اظہار بندگی بھی بے کار ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ پر درود وسلام، کہ قرب کی یہ راہ تو انہی کی بتلائی ہوئی ہے، سلام ہو ان پر، درود ہو ان پر، رب کریم کے دروازے پر عجز ونیاز کا یہ طریقہ انہی کے بتلانے پر ہے، ورنہ ہمیں یہ سعادت نصیب نہ ہوتی۔ آخر میں اپنے لیے دعا اس تصور سے کہ آقا کے دروازے پر دامن پھیلا کر بیٹھ گیا ہوں میں اسی کا فقیر، اسی کا بھکاری ہوں، گنہگار ہوں لیکن پر امید ہوں، اسی تصور سے آخری دعائیں پڑھے اور سرگوشی کا لطف اٹھائے اور سلام کہتا ہوا نماز سے فارغ ہو جائے، اس انداز سے کچھ روز اہتمام کیا جائے تو یقیناً نماز میں دلجمعی پیدا ہوتی ہے مگر یہ صرف کتاب یا رسالہ پڑھنے سے نہیں بلکہ کسی اللہ والے سے سیکھنے اور اس سے اس کا سبق لینے سے یہ منزل آسان ہو جاتی ہے۔

نماز میں وساوس

شیطانی وسوسہ تمام برائیوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی جڑ ہے شیطان کے عمل دخل کا یہ عالم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الشیطان یجری من ابن اٰدم مجری الد م

(بخاری: ج ا ص ۴٦۴ وغیرہ)

کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح چلتا پھرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَّذِی یُوَ سْوِسُ فِی صُدُوْرِا لنَّاسِ ﴾ کہ خناس

جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

صحیح بخاری (ج ۱ ص ۲۶۴) و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے تھے، ام المومنین حضرت صفیہؓ زیارت کے لیے رات کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جب واپس جانے لگیں تو رسول اللہ ﷺ تھوڑی دوران کے ساتھ ہو چلے تا کہ انہیں گھر کے قریب چھوڑ آئیں، اسی اثنا میں دو انصاری صحابی سامنے سے گزرے انہوں نے آپ ﷺ کو پہچانا تو تیزی سے آگے نکل گئے، آپ نے انہیں آواز دی ٹھہر جاؤ، پھر فرمایا یہ میری بیوی صفیہؓ ہے، انہوں نے آپ کی اس صفائی پیش کرنے پر تعجب کیا اور کہا: سبحان اللہ آپ کے بارے میں بھی کسی قسم کا شبہ ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: بیشک شیطان انسان کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور مجھے خوف تھا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی شک پیدا نہ کرے۔

حافظ ابن قیمؒ نے ذکر کیا ہے کہ وسوسہ کے اصل معنی ہیں آہستہ سے کوئی بات کہنا، جس کا دوسرے حاضرین کو احساس نہ ہو، اور اصطلاح میں اس کے معنی شیطان کا کسی کے دل میں برائی کا خیال ڈالنا ہے اور اس میں عموماً تکرار کے معنی پائے جاتے ہیں اور شیطان کے القاء کو اس لیے وسوسہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی بار بار القاء کرتا اور وسوسہ ڈالتا ہے۔ وسوسہ اور اس سے متعلقہ تمام مباحث کے لیے حافظ ابن قیمؒ کی تفسیر معوذتین ملاحظہ ہو۔

شیطانی وسوسہ کا ایک پہلو نماز میں وسوسہ ڈالنا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب نماز کے لیے اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا چلا جاتا ہے۔ جب اذان ختم ہوتی ہے تو نمازیوں کو ورغلانے کے لیے متوجہ ہوتا ہے، جب نماز کے لیے اقامت ہوتی ہے تو وہ پھر بھاگ جاتا ہے، جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو وہ پھر آموجود ہوتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسے ڈالنے لگتا ہے بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے، یہاں تک کہ نمازی نہیں جانتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔

(بخاری: ج ۱ ص ۸۵، مسلم)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: کہ انسان جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان کو

غیرت آتی ہے کیونکہ انسان اس وقت ایک ایسے مقام پر ہوتا ہے جو تمام مقامات سے افضل و اقرب الی اللہ ہے، اور یہ شیطان کو غصہ چڑھانے کا موجب ہوتا ہے، اس لیے وہ اسے اس مقام و مرتبہ سے گرانے کے لیے پوری کوشش کرتا ہے اسے جھوٹے وعدے دیتا ہے، خواہشات کے سبز باغ دکھاتا ہے، طرح طرح سے بھلاتا اور اپنے حواری اس پر مسلط کر دیتا ہے، حتی کہ اس کے دل سے نماز کی اہمیت کم ہوتی چلی جاتی ہے، اگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو تو پھر یہ طرح طرح کے وسواس ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، انسان اور اس کے دل میں حائل ہو کر ہر طرح نماز میں وہ چیزیں یاد دلاتا ہے جو نماز شروع کرنے سے پہلے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں یہ اس لیے کہ انسان اللہ تعالی کی بجائے ان چیزوں کے خیالوں میں مگھن ہو جائے اور نماز کی طرف اس کی توجہ نہ رہے، جس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام سے محروم ہو جاتا ہے۔ (الوابل الصیب)

وسوسہ ڈالنے والے شیطان کا نام اور اسکا علاج

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! شیطان میرے اور میری نماز اور نماز میں میری قراءت کے مابین حائل ہو جاتا ہے، اور قراءت کو مشتبہ کر دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ذاک شیطان یقال له خنزب فاذا احسسته فتعوذ باللّٰه منه و اتفل علی یسارک ثلاثا قال ففعلت ذٰلک فاذهب اللّٰه عنی ۔

(مسلم: ص ۲۲۴ ج ۲)

وہ شیطان ہے اسے خنزب کہا جاتا ہے، جب تمہیں اس کا احساس ہو اس سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور اپنے بائیں طرف (یعنی دل کی جانب) تین بار تھوک دو، یعنی دم کی صورت میں تین بار دل پر پھونک مارلو۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں: میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالی نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔ لہٰذا وسوسہ کی صورت میں چاہیے: کہ **اعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم** پڑھ کر تین بار دل کی جانب پھونک مارلے۔

امام ابراہیم بن عبدالواحد مقدسیؒ جو حافظ عبدالغنیؒ مقدسی کے بھائی تھے، بڑے

عابد وزاہد اور متقی انسان تھے، کہنے والوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہم نے کبھی بھی انہیں اللہ کی نافرمانی کرتے نہیں دیکھا، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ابتداہی میں تکبیر تحریمہ سے پہلے تعوذ پڑھ کر تین بار دل پر دم کر لیا کرتے۔

(ذیل طبقات الحنابلہ لابن رجب: ج۲ص۹۸)

یاد رہے کہ وساوس کا آنا اور وسوسہ لانا دونوں میں بڑا فرق ہے، وسوسہ آنا غیر اختیاری ہے، انسان اس میں مجبور ہے اسے چاہیے کہ جب وسوسہ آئے تو اس کے پیچھے نہ لگ جائے۔ بلکہ اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر اپنی نماز کی طرف توجہ کرے۔ انسان کے دل کی مثال جرنیلی سڑک کی ہے جس پر ہر قسم کی ٹریفک رواں دواں ہے۔ پیدل چلنے والے بھی، سائیکل، موٹر سائیکل والے بھی، کار اور ہیوی ٹریفک والے بھی آ جا رہے ہیں ایک سمجھدار، عقلمند اور ہوشیار انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا سفر جاری رکھے اپنی سمت سیدھی رکھے، جو گاڑیاں آ جا رہی ہیں ان کے بارے میں غور و تامل نہ کرے نظر ان پر پڑے تو وہ اسے دیکھتا ہی نہ رہ جائے، بس آئی اور گئی ورنہ خطرہ ہے کہ ایکسیڈینٹ ہو جائے گا۔ بالکل اس طرح دل میں وسوسہ آئے تو اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔ فوراً اس سے توجہ ہٹا کر نماز کی طرف توجہ کر لینی چاہیے۔ اور اسے اپنا سفر جاری و ساری رکھنا چاہیے، راہ چلتے ہوئے کسی رکاوٹ پر رک جانا یا راستہ روکنے والے سے الجھنا منزل مراد پر پہنچنے سے روک دے گا۔

اللہ پرستی نہ کہ لذت پرستی

نماز میں اطمینان نصیب ہو، دل جمعی پیدا ہو، لذت ولطف حاصل ہو تو ایسی نماز ہی آنکھ کی ٹھنڈک، دل کا نور اور روح کے سرور کا باعث ہے۔ لیکن اگر لذت نہ آئے تو اس سے قطعاً دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ نماز اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر پڑھنی چاہیے، لذت آئے یا نہ آئے، لذت کے لیے نماز پڑھنا، لذت نہ آئے تو نماز چھوڑ دینا، یہ تو لذت پرستی ہوئی، اللہ پرستی نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے نماز پڑھنی چاہیے لذت اور لطف کے لیے نہیں۔

یاد رہے کہ جس طرح شیطان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اسی طرح انسان کا اپنا نفس بھی وسوسہ میں مبتلا کرتا ہے اور اس کا سبب انسان کے کسب اور اختیار سے ہے چنانچہ اس کا دل جسقدر شہوات اور دنیاوی لذات کی محبت میں گرفتار ہوگا، اسی قدر وہ وساوس میں زیادہ مبتلا ہوگا۔ جب دل کہیں اور اٹکا ہوا ہو، منکرات وفواحش میں گرفتار ہو، تو نماز میں دل خاک لگے گا، دل ان خرافات سے جسقدر فارغ ہوگا نماز میں اسی قدر زیادہ دل لگے گا۔
حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: کہ فرشتہ رحمت اس گھر میں نہیں آتا جس میں تصوریں آویزاں ہوں تو بھلا اس دل میں اللہ اپنی محبت کس طرح ڈالے گا جو صنم خانہ بنا ہوا ہو۔ (الفتح الربانی)

تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں؟

اور حدیث پاک میں جو ''شر نفس'' سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے اس شر کی ایک صورت دنیاوی شہوات سے محبت ہے، جس میں گرفتار ہوکر انسان اپنے محبوب حقیقی سے دور ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے وساوس ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا حصول یا اس پر قدرت تو نماز سے فارغ ہوکر ہی ہوگی۔ لہٰذا ان کے بارے میں وسوسہ کا کیا فائدہ؟، اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رب ذوالجلال والاکرام کے سامنے کھڑے ہوکر دنیائے مردار وغدار کے پیچھے پڑا ہوا ہوں، اس سے بڑی بے مروتی اور کیا ہوگی، یوں ان وساوس کے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنی توجہ نماز کی طرف مبذول کرنی چاہیے، یہ وسوسہ ایک بار نہیں بلکہ بار بار آئے گا، کہ وسوسہ میں تکرار کے معنی پائے جاتے ہیں۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے، کہ ''وسوسہ یا شیطان کی حیثیت چور یا ڈاکو کی ہے، مسافر منزل مقصود تک جانا چاہتا ہے مگر چور راستہ روک لیتا ہے، اسی طرح بندہ مومن سیر الی اللہ میں مصروف ہوتا ہے اور نماز میں اپنے محبوب کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے مگر شیطان اس کا راستہ روک لیتا ہے''، اس کی توجہ اس کے محبوب سے پھیر دیتا ہے، بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنا سفر جاری رکھے اور شیطان سے الجھنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق تعوذ کے ذریعہ شیطان سے پناہ مانگے، اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے،

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. (العنکبوت: ۶۹)

جو ہمارے بارے میں کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہ کی ہدایت عطا کرتے ہیں۔

لہٰذا پیچھے پڑنے کی بجائے اس کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہیے، جو کوشش کرتا ہے وہ منزل مراد پالیتا ہے، مقابلہ ومرحلہ بلاشبہ بڑا کٹھن ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے مکمل نہ سہی کچھ نہ کچھ حصہ تو ضرور ان شاء اللہ مل ہی جائے گا۔ انا عند ظن عبدی بی .

نمازیوں کی پانچ قسمیں

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ نمازیوں کو بلحاظ نماز پانچ درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

(۱) **مُفرِط** ،یعنی اپنے نفس پر ظلم کرنے والا شخص، جو نماز کے اوقات، حدود وارکان اور وضوء وغیرہ کا نقصان کرتا ہے، نہ وضوء صحیح نہ ہی وقت پر نماز ادا کرتا ہے، ارکان کو صحیح طور پر ادا نہیں کرتا، بلکہ کوّے کی طرح ٹھونگے مارتا ہے روٹین ورک کی طرح بس نماز خود بخود ادا ہو رہی، جب سلام پھیرتا ہے تب خبر ہوتی ہے کہ نماز پڑھ لی ہے۔

(۲)۔ جو نماز کے اوقات، حدود، ارکان اور وضوء وغیرہ تو صحیح کرتا ہے لیکن وسوسوں کو دور کرنے میں توجہ صرف نہیں کرتا، بلکہ اپنے دل ودماغ کو وسوسوں کی نذر کر دیتا ہے اور خیالات وتفکرات میں ہی الجھا رہتا ہے۔

(۳)۔ جو نماز کی حدود وارکان کی بھی حفاظت کرتا ہے اور وساوس کو دور کرنے میں بھی ہمت صرف کرتا ہے ایسا شخص چونکہ اپنے دشمن کے ساتھ جہاد میں مشغول ہوتا ہے۔ کہ شیطان اس کی نماز کی چوری نہ کرسکے، تو یہ صرف نمازی ہی نہیں بلکہ مجاہد بھی ہے۔

(۴)۔ وہ شخص جو نماز کے لیے اٹھتا ہے تو اس کے جملہ حقوق اور حدود کو پوری طرح ادا کرتا ہے، اور اس کی حدود وقیود کی حفاظت میں اپنا دل مستغرق کرتا ہے کہ نماز میں کہیں کوئی نقصان نہ ہونے پائے، صرف یہی نہیں بلکہ اس کی تمام قوتیں کما حقہ نماز کی تکمیل واتمام اور

اقامت میں مصروف ہوتی ہیں، اور نماز و عبادت الٰہی کی اہمیت نے اس کا دل کلیۃً نماز میں مستغرق کر دیا ہوتا ہے۔

(۵)۔ وہ شخص جو نماز کے جملہ حقوق، ارکان و حدود کو پوری طرح ادا کرتا ہے مگر قسم چہارم سے بھی چار قدم آگے وہ اپنا دل حدود و ارکان نماز کی تکمیل میں صرف مستغرق ہی نہیں کرتا بلکہ دل کو اٹھا کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ عالی میں رکھ کر دل کی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہے اور اس کی محبت و عظمت میں اس قدر مستغرق ہوتا ہے گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے دل کے تمام افکار و وساوس ختم ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیانی تمام رکاوٹیں اٹھ جاتی ہیں۔ اس شخص اور غیروں کی نماز میں بلحاظ عظمت و فضیلت زمین و آسمان کا فرق ہے ایسا شخص نماز میں رب سے مناجات میں مشغول ہوتا ہے اور گویا مشاہدہ الٰہی سے اپنے آنکھیں بار بار ٹھنڈی کرتا ہے۔

پانچوں قسم کے نمازیوں کی جزا

پہلی قسم کا نمازی " مُعاقَب "یعنی سزا کا مستحق ہے۔

دوسری قسم کا نمازی " مُحاسَب "یعنی حساب کے قابل ہے۔

تیسری قسم " مُکفَّر عنه "یعنی اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

قسم چہارم " مُثاب "یعنی گناہ معاف ہونے کے ساتھ ساتھ ثواب بھی ملتا ہے۔

قسم پنجم " مُـقَـرَّب "یعنی اسے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہوتا ہے یہی وہ نمازی ہے جسے نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔

جیسے نبی محترم ﷺ نے فرمایا:

قُرَّ ةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوة .

نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (نسائی: ج۱ ص۸۳، مسند احمد: ج۳ ص۱۲۸)

اور جسے دنیا میں " قـــرة عینی " حاصل ہوا سے آخرت میں بھی قرب الٰہی کی بدولت قرۃ عینی حاصل ہوگا بلکہ دنیا میں بھی وہ اس مرتبہ سے محروم نہیں رہے گا، اور جسے ذات الٰہی سے

خنک چشمی حاصل ہو اس کی آنکھ ہی نہیں بلکہ اس کا ہر بال مجسمہ سرور ہو گا۔ اور جس کو ذات باری تعالیٰ سے بھی خنک چشمی حاصل نہ ہو تو اس کی زندگی کیسی زندگی ہے،؟ یہ تو سراسر حسرت وندامت کی زندگی ہے۔ (الوابل الصیب) زندگی بے بندگی شرمندگی۔

خاشعین کی نماز کے چند مناظر

نماز ہی تو وہ رابطہ ہے جو عبد کو معبود سے مربوط کرتا ہے۔ اور جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ نے فرمایا: کہ جسے قرۃ عینی کی دولت نصیب ہوتی ہے اس کا بال بال محبت الٰہی میں مستغرق ہوتا ہے اور وہ مجسمہ سرور بن جاتا ہے۔ دار فانی سے نکل کر دار باقی میں قدم رکھتا ہے، تمام بُعد دور ہو جاتے ہیں اور حدیث نبوی، "ان تعبد الله کانک تراه" کے مطابق محبوب کو گویا دیکھ رہا ہوتا ہے اور دنیا و مافیھا سے غافل ہو جاتا ہے ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

آنحضرت ﷺ سید الخاشعین تھے، جن کا ہر لحظہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یاد میں گزرتا۔ ایک مجلس میں ستر، ستر اور سو، سو مرتبہ استغفار کرتے۔ یہ نماز میں انہماک اور خشوع ہی کا نتیجہ تھا کہ طویل قیام کی وجہ سے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا ہے اور آپ کو اس کا احساس تک بھی نہ ہوتا۔ نماز پڑھتے تو سینہ مبارک سے ہنڈیا کے ابلنے کی سی آواز آتی۔

(ابوداود)

ایک انصاری صحابی کا واقعہ

حضرت جابرؓ بن عبد اللہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں تھے، آپ ﷺ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا تو فرمایا: آج پہرا کون دے گا؟ دو صحابی تیار ہوئے ایک حضرت عمار بن یاسرؓ جو مہاجر تھے اور دوسرے انصار سے تعلق رکھنے والے حضرت عبادؓ بن بشر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وادی کے کنارے جس رخ پر دشمن ہے وہاں کھڑے ہو کر پہرا دو، چنانچہ تھوڑی دیر بعد حضرت عمارؓ لیٹ گئے اور حضرت

عبادؓ بن بشر نماز پڑھنے لگے، دشمن نے جب انہیں کھڑے دیکھا تو سمجھا یہ کھڑا پہرا دے رہا ہے تو اس نے تاک کر تیر چلایا تو وہ حضرت عبادؓ کے جسم میں پیوست ہو گیا، انہوں نے نماز ہی میں تیر نکال کر پھینک دیا اور نماز پڑھتے رہے، اس طرح یکے بعد دیگرے دشمن نے دو اور تیر پھینکے اور وہ بھی ان کے جسم میں پیوست ہو گے۔ حضرت عبادؓ انہیں جسم سے نکال دیتے، انہوں نے نماز منقطع نہ کی، پھر انہوں نے رکوع اور سجدہ کیا، نماز سے فارغ ہو کر حضرت عمار بن یاسرؓ کو اٹھایا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمارؓ بیدار ہوئے، دشمن نے سمجھا کہ وہ خبردار ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا، حضرت عمارؓ نے جب حضرت عبادؓ کو خون آلود دیکھا تو فرمایا: سبحان اللہ، تم نے پہلا تیر نکالنے پر مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟: حضرت عبادؓ نے فرمایا: سورۃ الکھف پڑھ رہا تھا میں نے پسند نہ کیا کہ اسے چھوڑ دوں۔

(ابو داود: ج ۱ ص ۷۷، ابن خزیمہ: ج ۱ ص ۲۴، دلائل النبوہ للبیھقی وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

آپ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں ہجرت کے پہلے سال مہاجرین کے گھروں میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے یہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہیں عمروؒ بن دینار فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن زبیرؓ سے بہتر نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یوں جم کر کھڑے ہوتے کہ دیکھنے والا خیال کرتا یہ لکڑی کا تنا کھڑا ہے بڑی لمبی نماز پڑھتے۔ مسلمؒ بن یناق کا بیان ہے: کہ ایک بار تو رکوع اتنا طویل کیا کہ ہم نے سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء، اور المائدہ تلاوت کر لی، جن دنوں حجاج بن یوسف ان کیخلاف حرم کعبہ میں سنگ باری کر رہا تھا، منجنیق سے پتھر برستے، وہ نماز پڑھ رہے ہوتے تو ان سے بے نیاز ہو کر التفات تک نہ کرتے ایک بار نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے بیٹے ہاشم پر چھت سے سانپ آ گرا، اہل خانہ گھبرا اٹھے سانپ سانپ پکارا، مگر حضرت عبداللہؓ بن زبیر برابر نماز پڑھتے رہے، وہ گویا نماز میں اسقدر مستغرق تھے کہ انہیں اس واقعہ کی خبر تک نہ ہوئی۔

(السیر: ج ۳ ص ۳۶۹، ۳۷۰، الحلیہ: ج ۱ ص ۳۳۵، الاصابہ وغیرہ) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نماز پڑھتے تو اتنا لمبا سجدہ کرتے کہ چڑیا ان کی پیٹھ پر آ کر بیٹھ جاتی۔ (التھجد)

حضرت عروۃ بن زبیرؒ

مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ میں ان کا شمار ہوتا تھا بڑے عابد وزاہد اور کبار تابعین میں سے تھے روزانہ دن کو قرآن میں دیکھ کر ربع قرآن تلاوت کرتے اور پھر رات تہجد کی نماز میں بھی اسی قدر تلاوت فرماتے۔ نماز میں ان کے خشوع اور انہماک کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاؤں کو موذی بیماری لاحق ہوئی اور بڑھتی چلی گئی۔ طبیبوں نے ٹانگ کاٹ دینے کا مشورہ دیا وہ اس پر آمادہ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو ایسی دوائی پلاتے ہیں جس سے آپ کی قوت عقل وفکر زائل ہو جائے گی اور یوں آپ ٹانگ کاٹنے کی ٹیس و درد سے بچ جائیں گے انہوں نے فرمایا: بالکل نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص ایسی چیز کھائے کہ اس کی عقل ماؤف ہو جائے، ٹانگ کاٹنی ہے تو میں نماز پڑھتا ہوں آپ اسی دوران اپنا کام تمام کرلیں مجھے اس کا احساس نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت عروۃؒ نے دو رکعت نفل شروع کیے تو طبیبوں نے آری سے ان کی ٹانگ کاٹ دی، مگر انہیں اس کا احساس تک نہ ہوا۔ (البدایہ: ج۹ص۱۰۲) حافظ ابن کثیرؒ نے ہی لکھا ہے کہ حضرت عروۃؒ نے ایک شخص کو جلدی جلدی نماز پڑھتے دیکھا تو انہوں نے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا: بھائی تمہاری کوئی حاجت وضرورت ایسی نہ تھی جو تم نماز میں اپنے رب سے طلب کرتے "انی لأ سأل الله فی صلا تی أسأله الملح" میں تو اپنی نماز میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں حتی کہ نمک کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہوں۔ (البدایہ: ج۹ص۱۰۳، الزھد لاحمد ص۳۷۱)

مسلم بن یسار بصریؒ

حضرت مسلمؒ کا شمار بصرہ کے فقہا اور اصحاب فتوی میں ہوتا ہے بڑے عابد وزاہد تابعی تھے ان کے بارے میں لکھا ہے: کہ جب نماز پڑھتے تو اس قدر اطمینان سے کھڑے ہوتے کہ بالکل ادھر ادھر حرکت نہ کرتے، دیکھنے والا سمجھتا کہ گویا کپڑا لٹکا ہوا ہے، میمون بن حیانؒ فرماتے: ہیں کہ ایک مرتبہ اچانک مسجد کا ایک کونہ گر گیا، باہر بازار میں لوگ گھبرا گئے مگر حضرت مسلمؒ مسجد میں برابر نماز پڑھتے رہے، التفات تک نہ کیا گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ آپ جب گھر

تشریف لاتے تو اہل خانہ ان کے احترام میں ساکت وخاموش ہو جاتے، مگر عجیب بات ہے کہ جب حضرت مسلمؒ گھر میں نوافل پڑھنا شروع کر دیتے تو اہلخانہ آپس میں باتیں کرنے لگتے اور ہنسی مذاق شروع کر دیتے۔ (السیر: ج۴ص۵۱۲، الحلیہ: ج۲ص۲۹۰، ۲۹۱) گویا وہ سمجھتے تھے کہ ہماری باتوں کا انہیں نماز کے دوران احساس نہیں ہوتا۔

امام سعید بن جبیرؒ

امام سعیدؒ بن جبیر کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے، خود ان کا بیان ہے کہ چالیس سال سے نماز پڑھتے ہوئے مجھے احساس نہیں ہوتا کہ میرے دائیں طرف کون کھڑا ہے اور بائیں جانب کون ہے، کیونکہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ نماز میں خشوع یہ ہے کہ نمازی کو یہ علم نہ ہو کہ اس کے دائیں بائیں کون ہے۔ (التھجد)

امام مالکؒ

امام ابوالمصعبؒ کا بیان ہے کہ امام مالکؒ بڑے اطمینان وسکون سے نماز پڑھتے، بالکل حرکت نہ کرتے، خشک لکڑی کی طرح جم کر کھڑے ہوتے اور بڑا لمبا رکوع کرتے، حاکم وقت نے جب انہیں کوڑے لگوائے تو اس کے نتیجہ میں وہ بیمار ہو گئے مگر نماز بدستور اسی طرح سکون سے پڑھتے انہیں کہا گیا کہ آپ مختصر نماز پڑھ لیا کریں تو انہوں نے فرمایا: جو کوئی عمل کرے اسے چاہیے کہ وہ عمل خوبصورتی سے کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ﴾ تاکہ اللہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔ (التھجد)

حضرت عباسؒ بن عبداللہ

حضرت عباسؒ بن عبداللہ بن قیس کا شمار بھی امت کے خاشعین میں ہوتا ہے، جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اہل خانہ باتوں میں مشغول ہو جاتے، مگر انہیں ان کی باتوں کا احساس نہ ہوتا، ان سے پوچھا گیا کہ کیا نماز کے دوران میں آپ کو کوئی خیال نہیں آتا؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں، نماز میں خیال آتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہوں

اور ٹھکانا کیا ہوگا۔ (کتاب التہجد)

منصور بن معتمر کوفیؒ

حضرت منصورؒ کا شمار کوفہ کے کبار محدثین میں ہوتا ہے، حضرت حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، سعید بن جبیرؒ اور مجاہد ایسے تابعین کے وہ شاگرد رشید تھے، نہایت عابد وزاہد، روزہ دار اور شب زندہ دار تھے، کثرت سے رونے کے سبب بینائی جاتی رہی تھی ساٹھ سال ان کا معمول رہا کہ دن کو روزہ رکھتے اور شب بھر قیام کرتے، حافظ عبدالحق اشبیلیؒ نے لکھا ہے، کہ ان کی ایک پڑوسن تھی، رات کو سونے کے لیے اپنی بیٹی کے ہمراہ چھت پر چلی جاتی اور رات کے آخری حصہ میں نیچے آجاتی اس کی بیٹی حضرت منصورؒ کو نماز پڑھتے دیکھتی، جب ان کی وفات ہوگئی تو اس نے اپنی والدہ سے پوچھا یہاں چھت پر رات کو لکڑی کا ایک تنا ہوتا تھا وہ اب کہاں ہے؟ اس کی والدہ نے کہا بیٹی وہ تنا نہیں بلکہ منصورؒ بن معتمر تھے، جو شب بھر نماز پڑھتے تھے، اس نے کہا اماں اسقدر عبادت میں تو کئی سالوں سے اسے دیکھتی رہی اور آپ کہتی ہیں وہ منصورؒ تھے، ان کو کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ وہ فوت ہو گئے اور لوگوں نے انہیں دفن کر دیا، سعادت مند بیٹی نے کہا اماں آج سے میں بھی اللہ کی عبادت کیا کروں گی، چنانچہ اس کے بعد وہ نیک خاتون بیس سال زندہ رہی دن کو روزہ اور شب بھر قیام کرتی۔ (کتاب التہجد، الحلیۃ: ج۵ ص۴۰) سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: کہ اگر تم منصور کو نماز پڑھتے دیکھتے تو سمجھتے کہ نماز کے دوران ان کی روح پرواز کر جائے گی۔ (الحلیہ: ج۵ ص۴۰)

حضرت کرز بن حارثؒ

حضرت کرزؒ کا شمار بھی بڑے عبادت گزاروں میں ہوتا تھا، نماز میں بسا اوقات اسقدر لمبا سجدہ کرتے کہ چڑیا ان کی پیٹھ پر بیٹھ جاتی۔ (کتاب التہجد) بالکل یہی کیفیت نماز میں حضرت ابراہیمؒ بن یزید میمی کی ہوتی تھی۔ (الحلیہ: ص۲۱۲ ج۴)

حضرت صلۃ بن اشیمؒ

حافظ عبدالحقؒ نے جعفر بن زید العبدی سے نقل کیا ہے کہ میں کابل کی لڑائی میں تھا اور لشکر میں حضرت صلہ بن اشیمؒ بھی تھے رات ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ آج رات میں

دیکھوں گا صلہ کیا کرتے ہیں، چنانچہ لشکر سو گیا تو وہ لشکر سے علیحدہ ہو گئے، انہوں نے وضوء کیا اور نماز پڑھنے لگے، اسی دوران ایک شیر آیا اور آ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں ڈر کے مارے درخت پر چڑھ گیا اور سارا منظر دیکھتا رہا، حضرت صلہ شب بھر نماز پڑھتے رہے اور شیر ان کے سامنے بیٹھا رہا، جب سلام پھیرا تو شیر سے کہا چلے جاؤ، جا کر اپنا رزق تلاش کرو، شیر چلا گیا اس کے بعد انہوں نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں سجدہ میں فوت ہی نہ ہو گئے ہوں، سجدہ سے سر اٹھایا تو وہ گم شدہ بچے کی طرح رو رہے تھے۔

(کتاب التہجد، الحلیہ ص ۲۴۰ ج ۲)

امام سعید بن عبدالعزیز تنوخیؒ

دمشق کے ممتاز محدثین میں ان کا شمار ہوتا تھا امام حاکمؒ فرماتے ہیں: کہ اہل شام کے نزدیک ان کا وہی مقام تھا جو اہل حجاز کے نزدیک امام مالکؒ کا، امام سعیدؒ شب بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے اور فرمایا کرتے: جب میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو جہنم کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ابونصر فرماتے ہیں: کہ نماز میں اس قدر روتے کہ مجھے چٹائی پر ان کے آنسو گرنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ (التذکرہ)

حضرت زین العابدینؒ

حضرت سیدنا علی بن حسین بن علیؓ جن کا لقب کثرت عبادت کی بنا پر زین العابدین ہوا، اللہ کی راہ میں بلا حساب خرچ کرتے، رات کے اندھیرے میں فقراء و مساکین کے گھروں میں سامان خود اٹھا کر پہنچاتے، اور ان کو خبر تک نہ ہوتی کہ سامان لانے والا کون ہے، یہ راز تو تب کھلا جب ان کا انتقال ہوا اور فقراء کے گھروں میں سامان پہنچنا بند ہو گیا۔ اللہ کے ڈر وخوف کا یہ عالم تھا کہ حضرت امام مالکؒ اور امام ابن عیینہؒ فرماتے ہیں: حج کے لیے احرام باندھا اور **لبیک** کہنے لگے تو جسم کانپنے لگا، **لبیک** کہنے کی ہمت نہ رہی فرمایا: مجھے خوف آرہا ہے کہ میں **لبیک** کہوں تو کہیں یہ جواب نہ آئے "**لا لبیک**" تیری حاضری قبول نہیں، بڑی مشکل سے لبیک کہا تو ان پر غشی طاری ہو گئی، اس طرح لرزتے کانپتے انہوں نے

فریضۂ حج ادا کیا، وضوء کرتے تو رنگ زرد ہو جاتا، نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، پوچھنے والے نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:

الا تدری بین یدی من اقوم ولمن اناجی .

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے مناجات کرتا ہوں۔

ایک بار تو ایسا بھی ہوا کہ گھر میں آگ بھڑک اٹھی آپؒ نماز پڑھتے رہے، نماز سے فارغ ہوئے تو آپ سے کہا گیا: کہ اس پریشانی میں نماز ختم کر دیتے، فرمایا: آخرت کی آگ نے دنیا کی آگ سے غافل کر دیا تھا۔

(البدایہ، السیر: ج۴ص۳۸۶ الی ۴۰۰، التھذیب: ج۷ص۳۰۴ الی ۳۰۷ وغیرہ)

امام طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت زین العابدینؒ نماز کے لیے حرم پاک میں داخل ہوے میں نے سنا سجدہ میں یہ کلمات کہہ رہے تھے

عَبِیدُکَ بِفِنَآئِکَ فَقِیرُکَ بِفِنَآئِکَ مِسْکِینُکَ بِفِنَآئِکَ سَآئِلُکَ بِفِنَآئِکَ (السیر: ج۴ص۳۹۳)

تیرا چھوٹا سا بندہ تیرے صحن میں، تیرا فقیر تیرے صحن میں، تیرا مسکین تیرے صحن میں، تیرا بھکاری تیرے صحن میں۔

امام طاؤسؒ فرماتے ہیں میں نے یہ کلمات یاد کر لیے، جب بھی ان کلمات سے میں نے کسی مصیبت کے موقع پر دعا کی اللہ تعالیٰ نے وہ مشکل دور فرما دی۔

حضرت امام بخاریؒ

سید الفقہاء امام المحدثین حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک بار آپ کے رفقاء نے آپ کو ایک باغ میں آنے کی دعوت دی۔ جب نماز ظہر کا وقت ہوا تو نماز پڑھانے کے بعد سنتیں پڑھنے لگے اور ان میں بڑا لمبا قیام کیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنا قمیض اٹھا کر اپنے ایک ساتھی سے فرمایا: دیکھیں میری قمیض کے نیچے کیا ہے چنانچہ اس نے دیکھا تو بھڑ نکلی، جس کے ڈنک کے جسم

پر سولہ سترہ نشان تھے اور جسم متورم ہو چکا تھا۔ ساتھی نے عرض کیا، آپ نے نماز کیوں نہ توڑ دی؟ انہوں نے فرمایا: میں ایک سورت پڑھ رہا تھا اور دل چاہتا تھا اس کو ختم کرلوں۔

(تاریخ بغداد: ج۲ص ۱۲، السیر: ج۱۲ ص ۱۴۴ وغیرہ)

امام محمد بن نصر مروزیؒ

امام مروزیؒ کا کبار محدثین میں شمار ہوتا ہے ''قیام اللیل'' ان کی معروف کتاب ہے امام محمد بن یعقوبؒ بن الاخرم وغیرہ فرماتے ہیں: کہ میں نے امام محمدؒ بن نصر سے بہتر نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا، بھڑ ان کی پیشانی پر ڈنگ مارتی رہی، ایک قول میں ہے کہ کان پر ڈنگ مارتی رہی، یہاں تک کہ خون رسنے لگا مگر آپ نے حرکت نہ کی، ہم ان کے خشوع اور بہترین طریقے پر نماز پڑھنے سے تعجب کرتے تھے، اپنی ٹھوڑی سینہ پر لگا لیتے اور ایسے کھڑے ہوتے جیسے کوئی لکڑی کا ستون ہے۔ (التذکرہ، السیر: ج۱۴ ص ۳۶)

حضرت عبداللہ غزنویؒ

حضرت مولانا عبداللہ غزنویؒ للّٰہیت وتقوی میں یکتائے روزگار تھے اور شیخ الکل حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے، نماز میں محویت اور توجہ الی اللہ کا یہ عالم تھا کہ اپنی جان کی خبر نہ رہتی، ایک مرتبہ عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ یکا یک سخت بارش ہوگئی، ایسی سخت بارش کہ مقتدی سب نماز چھوڑ کر بھاگ گئے، صرف دو چار رہ گئے، نماز سے فارغ ہوکر جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ہاتھ کیچڑ سے بھرے ہوئے تھے، فرمانے لگے، باراں شد، واللہ عبداللہ راخبر نہ شد، بارش ہوئی اللہ کی قسم عبداللہ کو خبر نہیں ہوئی۔ (داود غزنوی: ص۱۴) حضرت میاں صاحبؒ فرمایا کرتے تھے: کہ مولوی عبداللہ حدیث ہم سے پڑھ گیا اور نماز پڑھنی ہمیں سکھا گیا۔ حضرت میاں صاحبؒ کا یہ فرمان غور طلب ہے، نماز پڑھنے کا سلیقہ وطریقہ محض کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا، اس کے لیے بھی مربی وراہنما کی ضرورت ہے، رہبر کی راہنمائی میں جہاں اور مشکل منزلیں آسان ہوجاتی ہیں وہاں نماز پڑھنے کا سلیقہ بھی حاصل ہوجاتا ہے، اس لیے نماز کو خشوع

وخضوع کے ساتھ پڑھنے کے لیے اہل خشوع کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے، اور اہل اللہ کی یہی صحبت، بہتر از صد سال طاعت بے ریا کا مصداق ہے۔

امام احمدؒ بن حرب شیخ نیسا پور المتوفی ۲۳۴ھ فرماتے ہیں

عبدت اللہ خمسین سنة فما وجدت حلاوة العبادة حتی ترکت ثلاثة اشیاء، ترکت رضی الناس حتّٰی قدرت ان اتکلم بالحق، وترکت صحبة الفاسقین حتی وجدت صحبة الصالحین، وترکت حلاوة الدنیا حتی وجدت حلاوة الاخرة۔ (السیر ص ۳۴ ج ۱۱)

میں نے اللہ تعالیٰ کی پچاس سال عبادت کی میں نے اس وقت تک عبادت میں حلاوت نہیں پائی۔ جب تک تین چیزوں کو چھوڑ نہیں دیا۔ لوگوں کی رضا کی پرواہ نہ کی پھر حق بات کہنے پر قادر ہوا، فاسقین کی صحبت چھوڑ کر صحبت صالحین حاصل ہوئی دنیا کی حلاوت چھوڑ کر آخرت کی حلاوت ملی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پکا سچا نمازی بنائے، خشوع و خضوع سے سنت کے مطابق نماز پڑھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

۞

﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ (المؤمنون: ۳)

اور وہ جو لغویات سے اعراض کرتے ہیں۔

لغو کے معنی

فلاح وفوز پانے والوں کا دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں، ''لغو'' ہر اس قول وعمل کو کہتے ہیں جو بغیر سوچے سمجھے اور بلا مقصد و فائدہ کیا جائے۔ یا جو کسی شمار وقطار میں نہ ہو، اسی سے ہر اس قسم کو لغو قرار دیا گیا ہے جو بلا ارادہ زبان سے نکل جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ﴾ (البقرة: ۲۲۵)

کہ اللہ تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کریں گے۔

ہر بری بات کو بھی ''لغو'' کہا جاتا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

﴿لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا کِذّٰبًا﴾ (النبأ: ۳۵)

کہ اس (جنت) میں نہ بیہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ وخرافات۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا﴾ (الواقعة: ۲۵)

اس (جنت) میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ ہی گناہ کی کوئی بات۔

ایک اور آیت کریمہ ہے:

﴿لَا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً﴾ (الغاشیة: ۱۱)

کہ وہاں کوئی لغو بات نہیں سنو گے۔

یہاں ''لاغیة'' اسم فاعل کلام کی صفت واقع ہوا ہے جیسا کہ ''کاذبة'' وغیرہ، یہ جنت کے ماحول کا بیان ہے کہ وہاں لغویات کا کوئی تصور نہیں، ایمانداروں سے یہاں اس دنیا کے ماحول کو پاک صاف رکھنے اور جنتی ماحول کی پاسداری کے لیے فرمایا گیا ہے: کہ وہ لغویات سے اس دنیا میں اجتناب کرتے ہیں۔

چنانچہ ''عبادالرحمٰن'' کے جو اوصاف سورۃ الفرقان میں بیان ہوئے ہیں ان میں فرمایا گیا ہے کہ:

﴿ وَالَّذِیْنَ لَایَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَاماً ﴾

(الفرقان: ۷۲)

اور وہ جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور جب کسی لغو پر گزر ہو جائے تو وقار سے گزر جاتے ہیں۔

کہ اگر کہیں اتفاق سے ایسی مجلس میں چلے جاتے ہیں یا بیہودہ کام کرنے والوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو اس سے دامن بچا کر نظریں نیچی کئے ہوئے شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں، لایعنی مشاغل میں مشغول نہیں ہوتے، بلکہ معصیت میں مبتلا ہونے والوں کی تحقیر کر کے کبر و نخوت کا اظہار نہیں کرتے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَانَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ﴾ (القصص: ۵۵)

اور جب انہوں نے بیہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے: کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم کو سلام ہے ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔

یعنی وہ ایسی بیہودہ مجلسوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں، ایسی مجلسوں کو جاہلوں اور نادانوں کی مجلس سمجھ کر خیر باد کہہ دیتے ہیں، یہاں ''سلام علیکم'' سے مراد سلام متارکت اور علیحدگی ہے۔ سلام متعارف مراد نہیں۔ جیسا کہ سورۃ الفرقان میں ہے کہ:

﴿ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ (الفرقان: ۶۳)

کہ جاہل ان کے منہ آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام۔

علامہ قرطبیؒ نے کہا ہے: کہ سلام یہاں تسلیم سے نہیں تسلم سے ہے، کہ میرا تم سے کوئی ناطہ نہیں اردو محاورہ میں بھی ''سلام ہے'' چھوڑنے، باز آنے، دست

بردار ہونے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ گویا مومن نہ لغو مجلسوں میں شریک ہوتا ہے، نہ ہی لغو باتوں میں وقت ضائع کرتا ہے۔

نماز میں خشوع اور لغو سے اجتناب

پہلی آیت میں ''خشوع صلاۃ'' کا ذکر ہے اور اسکے معاً بعد لغویات سے اجتناب کا۔ امام رازیؒ نے فرمایا ہے: کہ لغویات سے اجتناب نماز کی تکمیل کا باعث ہے۔

الا عراض عن اللغو من متمما ت الصلا ۃ. (الکبیر: ج۲۳ ص ۸۰)

انسان کا دل و دماغ لغویات سے اٹا پڑا ہو، کان تلاوت قرآن کی لذت آشنائی کی بجائے لغو باتوں میں لذت محسوس کرتے ہوں، نظر، رحمت الٰہی اور رب البیت کی بجائے بیت کی زینت میں الجھی ہوئی ہو، زبان محبوب سے سرگوشی میں لطف اندوز ہونے کی بجائے لغویات میں پھنسی ہوئی ہو، تو نماز میں خشوع وخضوع کہاں سے آئے گا۔ ع

تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یزال اللہ مقبلا علی العبد فی صلاتہ ما لم یلتفت فاذا صرف وجھہ انصرف عنہ. (احمد، ابو داود، نسائی، ابن خزیمۃ، حاکم، صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۳۶۰)

اللہ تعالیٰ اس وقت تک نمازی کی طرف متوجہ رہتے ہیں جب تک نمازی نماز میں التفات نہیں کرتا، جب وہ ادھر ادھر جھانکتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اپنی توجہ پھیر لیتے ہیں۔

نماز میں آنکھ سے التفات ادھر ادھر دیکھنا بھی دراصل ایک لغو حرکت ہے، جس سے نمازی کی توجہ بٹ جاتی ہے، جب اس کا نماز اور نمازی پر یہ اثر ہے تو دیگر لغویات میں الجھنے کا انجام ظاہر ہے۔

لغویات کو چھوڑنا اچھے اسلام کی علامت ہے

حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه -

(ترمذی، ابن ماجه، صحیح الترغیب: ج۳ص ۹۶ وغیرہ)

انسان کے اچھے اسلام میں سے ہے کہ وہ لایعنی کام چھوڑ دے۔

یعنی جواقوال واعمال بے معنی اور بے مقصد ہیں انہیں ترک کردینا اچھے مسلمان کی علامت ہے، محرمات ومکروھات اور مشتبھات سے اجتناب تو مسلمان کے لئے ضروری ہے مگراس کے ساتھ ساتھ ہر وہ قول وعمل جس کا دنیوی واخروی کوئی فائدہ نہیں، اس کو چھوڑ دینا ایک اچھے مسلمان کی علامت ہے۔امام ابن صلاحؒ نے معروف مالکی امام ابومحمدؒ بن ابی زید سے نقل کیا ہے کہ تمام آداب خیر چاراحادیث پر مشتمل ہیں۔

(۱)- من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت .

کہ جواللہ اور قیامت کے دن پرایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ ہمیشہ اچھی بات کہے یاخاموش رہے۔

(۲)- من حسن اسلام المرء ترکه ما لایعنیه .

یہی حدیث جس کا ذکر ہورہا ہے

(۳)- لا تغضب ،

غصہ نہ کھایا کرو۔

آپ ﷺ نے سائل کووصیت فرمائی

(۴)- المؤمن یحب لأخیه ما یحب لنفسه .

مومن اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرتا ہے جووہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

امام ابومحمدؒ کے اس فرمان سے اس حدیث کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابی کا انتقال ہوگیا تو ایک صاحب نے کہا ''ابشر بالجنة '' تمہیں جنت کی بشارت ہو آنحضرت ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا: ''أو لاتدری؟ فلعله تکلم بما لا یعنیه أو بخل بما لا یغنیه '' تمہیں کیا معلوم شاید اس نے لایعنی بات کی ہو یاایسی چیز کے دینے میں بخل کیا ہے جواسے غنی نہیں

بنا سکتی۔ (ترمذی ص ۲۶۰ : ج ۳ وحسنه و صحیح الترغیب ۳ : ج ص ۹۷) بلکہ ابو یعلیٰ اور بیہقی میں حضرت ابو ہریرۃ ؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور مبارک میں ایک صحابی شہید ہو گئے ، اور ابو یعلیٰ میں حضرت انس ؓ سے ہے کہ وہ شہید ہونے والے غزوہ احد کے شہداء میں سے تھے ، شہید ہوئے تو اس کے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔ اس کی والدہ نے اس کے چہرے سے مٹی صاف کرتے ہوئے کہا'' **هنيئا لک يا بنی الجنة** '' اے بیٹے ! تمہیں جنت کی بشارت ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:'' **ما يدريک لعله؟ کا ن يتکلم فيما لايعنيه و يمنع ما لا يضره** '' (،صحیح الترغیب : ج ۳ ص ۹۸) تمہیں کیا معلوم شاید وہ لایعنی کلام کرتا تھا، یا وہ اللہ کی راہ میں ایسی چیز دینے سے گریز کرتا تھا جس کے دینے سے اسکا کوئی نقصان نہ تھا۔

اسی طرح حضرت کعب بن عجرۃ ؓ سے روایت ہے کہ میں ایک روز آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا رخ انور اترا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا : میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ،آپ کا چہرہ اترا ہوا کیوں ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ٹھیک دیکھ رہے ہو۔ میرے پیٹ میں تین دن سے کوئی دانا داخل نہیں ہوا۔ حضرت کعب ؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کی یہ بات سن کر وہاں سے نکلا اور ایک یہودی کے پاس گیا۔ وہ اپنے اونٹ کو پانی پلا رہا تھا۔ میں نے اسے پانی پلایا اور ہر ڈول کے بدلے ایک کھجور اس سے لی اور یہ کھجوریں لے کر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کعب ؓ ! یہ کھجوریں کہاں سے لائے ہو؟ میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''**أتحبني يا کعب** '' اے کعب ؓ ! کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اے کعب ؓ ! فقر و فاقہ میرے ساتھ محبت کرنے والوں کی طرف اس طرح دوڑتا ہے جس طرح سیلاب کا پانی نشیب کی طرف دوڑتا ہے۔ بے شک تجھے آزمائش گھیرے گی۔ لہٰذا تم اس کے لیے ڈھال تیار کر لو۔ (آپ کا مقصد ان کو صبر وتحمل کے لیے تیار کرنا تھا) پھر کچھ عرصہ آنحضرت ﷺ نے حضرت کعب ؓ کو نہ دیکھا تو ان کے بارے میں صحابہ ؓ سے دریافت کیا کہ کعب ؓ کہاں چلے

گئے؟ انھوں نے عرض کیا: وہ بیمار پڑے ہیں۔ آپ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور فرمایا: ''أبشر یا کعب '' اے کعبؓ مبارک ہو۔ ان کی والدہ نے یہ کہا: '' هنیئا لک الجنة یا کعب '' کعبؓ تجھے جنت کی بشارت ہو۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا: '' من هذه المُتَالِيَةُ عَلَى الله '' یہ اللہ پر کون قسم چڑھا رہی ہے؟ کعبؓ نے کہا: جناب یہ میری ماں ہے۔ آپ نے فرمایا:

'' ما یدریک یا ام کعب لعل کعب قال مالا یعنیه ومنع ما لا یغنیه

(مجمع الزوائد واسناده جید ص ۳۱۴ ج ۱۰، الصمت لابن ابی الدنیا ص ۸۸ وغیره)

اے کعب کی ماں! تمھیں کیا خبر کہ کعبؓ نے فضول اور بے مقصد بات کی ہو یا ایسی چیز دینے سے گریز کیا ہو جو اسے غنی نہ بناتی ہو۔ یعنی کسی معمولی چیز کے دینے سے انکار کیا ہو۔

غور فرمایئے! آنحضرت ﷺ یہ ارشاد کن کے بارے میں ہے؟ حضرت کعبؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کے بارے میں۔ حتی کہ شہید کے بارے میں بھی جن کے بارے میں آپ کو یقین تھا کہ انھوں نے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہوگی۔ دین کے فرائض کے بارے میں وہاں سستی و کاہلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ان کے بارے میں لایعنی اور غیر مقصد باتوں سے اجتناب نہ کرنے کا اندیشہ ظاہر کیا۔ جس سے اس بات کی وضاحت مقصود تھی کہ جنت کی حق داری کے لیے صرف نماز روزہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لیے اخلاقی قدروں کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ حتی کہ لایعنی اور فضول باتوں سے اجتناب بھی ضروری ہے کہ مومن کی زندگی ایک مقصد کی زندگی ہے۔ لایعنی اور بے مقصد کاموں کے لیے نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ لایعنی باتوں کے بارے میں مناقشہ فرمائیں جو بذات خود ایک عذاب ہے تو اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی پوچھنے والا نہیں۔ ﴿ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴾ (الانبیاء: ۲۳) کہ اللہ تعالیٰ جو کرے اس سے کوئی سوال نہیں کر سکتا۔ ان بندوں سے سوال کیا جائے گا۔

حضرت لقمانؒ سے کسی نے کہا کہ کیا آپ وہی نہیں جو فلاں فلاں پہاڑ پر بکریاں

چرا رہا تھا تو انہوں نے فرمایا: میں وہی ہوں، اس نے پوچھا "مابلغ بک ما اری" آپ کی جو شان میں دیکھ رہا ہوں یہ مرتبہ آپ کو کیونکر نصیب ہوا؟ انہوں نے فرمایا:

صدق الحديث و طول السكوت عما لا يعنيني

سچی بات کہنے اور لایعنی کلام سے اکثر خاموش رہنے سے۔

حضرت وھب بن منبہؒ فرماتے ہیں: کہ بنی اسرائیل میں دو برگزیدہ آدمی ایسے تھے کہ وہ پانی پر چلتے تھے ایک روز وہ دریا میں اسی طرح چل رہے تھے کہ ایک شخص کو انہوں نے ہوا میں اڑتا ہوا دیکھا انہوں نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! تمہیں یہ مرتبہ کیونکر حاصل ہوا؟ تو اس نے فرمایا:

فطمت نفسي عن الشهوات و كففت لساني عما لايعنيني و رغبت فيما دعاني اليه ربي ولزمت الصمت فان اقسمت على الله أبر قسمي.

(جامع العلوم و الحكم: ص ۹۹ وغیرہ)

میں نے اپنے نفس کو شہوات سے روک لیا اور اپنے زبان کو لایعنی باتوں سے باز رکھا، اور میں ہر اس عمل کی طرف راغب ہو گیا جس کی طرف میرے رب نے مجھے بلایا، خاموشی کو میں نے لازم پکڑا، اس کی برکت سے اگر میں اللہ تعالیٰ پر قسم بھی ڈالوں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیتے ہیں۔

ان احادیث و واقعات سے لایعنی اور فضول باتوں سے اجتناب کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے، کہ اس کی پابندی بندہ مومن کے اوصاف میں شامل ہے، کہنے کو یہ معمولی عمل ہے مگر اس کا اہتمام نہایت مشکل ہے۔ حضرت مورق العجلیؒ جنکا شمار بصرہ کے عابد و زاہد اور ثقہ محدثین میں ہوتا ہے فرماتے ہیں: میں ایک عمل کا بیس سال سے طلبگار ہوں مگر میں اس کے حصول میں تا حال کامیاب نہیں ہوسکا، تاہم آئندہ بھی اس کے حصول میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا، ان سے دریافت کیا گیا وہ کونسا عمل ہے تو انہوں نے فرمایا: "الصمت عما لا يعنيني" کہ جس کا مجھے کوئی فائدہ نہیں اس سے خاموشی اختیار کروں۔ (العزلة للخطابی: ص ۵۲، الصمت لابن ابی الدنیا)

اسی طرح حضرت یونسؒ بن عبید ☆ کی خدمت میں ان کے دوست نے خط لکھا کہ اپنے احوال سے مطلع کیجئے، اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ آپ مجھ سے میرے حال واحوال کے بارے میں پوچھتے ہیں، میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ گرمیوں کے بڑے دنوں میں میرا نفس روزہ رکھنے کی مشقت تو برداشت کر لیتا ہے، مگر لایعنی کلام کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔

(العزلة)

انسان کو چاہیے کہ ہر کام کرنے اور بات کرنے سے پہلے یہ حقیقت مستحضر کر لے کہ اللہ تعالیٰ میری بات کو سنتے اور میری ہر حرکت و ادا کو دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

☆ ''العزلة'' میں یونس بن عبید اللہ ہے، مگر صحیح یونس بن عبید معلوم ہوتا ہے، حضرت حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ اور ثابت بنانیؒ ایسے تابعین کے تلمیذ تھے، اور بڑے عابد و زاہد اور محدث گزرے ہیں، سلمة بن علقمہؒ فرماتے ہیں: کہ میں یونسؒ کی خدمت میں رہا ہوں مگر کبھی ان کے ایک کلمہ پر بھی میں مواخذہ نہ کر سکا، سوق بزازین میں ایک شخص نے آکر پوچھا کہ آپ کے پاس ۴۰۰ درہم کی قیمتی نقش و نگار کی ریشمی چادر ہے، تو امام یونسؒ نے فرمایا: میرے پاس دو سو درہم کی ایسی چادر ہے، یہ کہہ کر وہ نماز کے لیے چلے گئے، ان کے پیچھے ان کے برادر زادہ ہی نے وہی چادر چار سو درہم میں فروخت کر دی، حضرت یونسؒ واپس آئے، جب انہیں حقیقت کا علم ہوا تو فرمایا: اے اللہ کے بندے! یہ چادر دو سو درہم کی ہے چاہو تو دو سو درہم واپس لے لو، ورنہ تمہاری مرضی ہے، اس نے پوچھا آپ کا کیا نام ہے؟ فرمایا: یونس بن عبیدؒ، اس نے کہا: اللہ کی قسم جب ہماری دشمن سے مڈھ بھیڑ ہوتی ہے تو ہم کہتے ہیں: " اللھم رب یونس فرج عنا " اے یونس کے رب! ہماری مشکل آسان فرمادے، تو اللہ تعالیٰ ہماری مشکل دور کر دیتے تھے۔

(التھذیب: ص ۴۴۳، ج ۱۱)

امام یونسؒ ریشم کا کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ ریشم مہنگا ہو گیا آپ نے ایک آدمی سے ۳۰ ہزار کا ریشمی سامان خریدا، بعد میں اسے بلا کر فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ فلاں فلاں ملک میں ریشم کے نرخ بڑھ گئے ہیں، اگر تمہیں معلوم ہوتا تو تم یہ سامان کبھی فروخت نہ کرتے، پھر اپنا تمیں ہزار درہم لے کر اس کا سامان واپس کر دیا۔ ایک دفعہ ایک عورت ان کے ہاتھ ریشم کا کوٹ فروخت کرنے کے لیے لائی، آپ نے پوچھا اس کی قیمت کیا ہے؟ وہ بولی، پانچ سو درہم، آپ نے فرمایا: نہیں اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے، عورت بولی، پھر چھ سو درہم دیجئے۔ فرمایا: اس کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے، آپ اس کی قیمت اسی طرح بتلاتے رہے، حتی کہ اس کا ایک ہزار درہم ادا کیا۔ (التذکرہ: ج ۱ ص ۱۴۵، ۱۴۶، السیر: ج ۶ ص ۲۸۹، ۲۹۳)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِ نْسَا نَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَ سْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ○ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَا لِ قَعِيْدٌ ○ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْ لٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ . (ق: ١٦ ، ١٧)

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا، اور جو کچھ اس کے دل میں وسوسہ گزرتا ہے ہم اسے جانتے ہیں، اور اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں، جب دو فرشتے لکھنے والے اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے سب کچھ ریکارڈ کرتے ہیں، وہ کوئی بات بھی منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگہبان ہوتا ہے۔ نیز فرمایا:

﴿ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ. ﴾ (الزخرف : ٨٠)

کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کے راز اور مشورے نہیں سن رہے، بلکہ ہمارے فرشتے (بھی) ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ اِنْ تَجْهَرْ بِا لْقَوْلِ فَا نَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى ﴾ (طٰه : ٧)

اگر تم بلند آواز سے بات کرو تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بلکہ اس سے بھی خفی تر بات کو جانتا ہے۔

رب ذوالجلال والاکرام تو وہ ذات ہے کہ:

﴿ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴾ (المؤمن : ١٩)

وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور ان مخفی باتوں کو بھی جو سینوں نے چھپا رکھی ہیں

نیز فرمایا:

﴿ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴾ (النساء: ١٠٨)

وہ لوگوں سے تو اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ اور جب وہ رات کو باہم مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے تو وہ اس وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے، اور

اللہ جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں ان سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔

لہٰذا جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ہماری کوئی بات مخفی نہیں، ہماری ہر حرکت سے وہ واقف اور دل کے ہر راز سے خبردار ہے تو ہماری زبان کا ہر بول، تول کی فکر سے آزاد نہیں ہونا چاہیے۔

زبان کی حفاظت

زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے اس کا ایک بول (لَا إِلٰـــهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْ لُ اللّٰهِ) بولنے سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ اور بے پرواہی میں کہا ہوا ایک بول جہنم کا ایندھن بنا دیتا ہے، اس کا ایک بول جہاں عزت ووقار کا باعث بنتا ہے وہاں اس کا ایک بول ذلت ورسوائی کا باعث بھی بن جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات تخت سے تختہ تک پہنچانے میں اسی زبان کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذا أصبح ابن اٰدم فاِن الأعضآء كلها تكفر اللّسان تقول اتق الله فينا فاِنّما نحن بك فاِن استقمت استقمنا واِن اعوججت اعوججنا .(تر مذی ،حسن ،و صححه ابن خزيمه،صحيح التر غيب: ج۳ص ۹۳)

کہ جب آدم کا بیٹا صبح کرتا ہے تو بدن کے سارے اعضاء زبان کے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے معاملے میں اللہ سے ڈر، اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ وابستہ ہیں، اگر تو درست رہے گی ہم بھی درست رہیں گے، اگر تو کجرو ہوگی تو ہم بھی کجرو ہو جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنّ العبد ليتكلم با لكلمة من رضوان الله تعالى لا يلقى لها بالاً يرفع الله بها درجاتٍ ، واِن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله تعالى لا يلقى لها بالاً يهوى بها في جهنم .(بخاری: ج۲ ص ۹۵۹)

کہ بلا ریب کبھی بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے جس کی طرف اس کا کچھ خیال نہیں ہوتا کہ یہ بھی کوئی نیکی ہے، اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی برکت سے اس کے بہت سے درجات بلند فرما دیتے ہیں، اور بلا شبہ کبھی بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ایسا کلمہ کہہ گزرتا ہے کہ اس کی طرف اس کا کوئی خیال نہیں جاتا کہ یہ کوئی بڑا گناہ ہے مگر اس کی وجہ سے دوزخ میں گر جاتا ہے۔

زبان کی حفاظت کے بارے میں صحیح بخاری ہی میں حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من يضمن لی ما بين لحييه وما بين رجليه أضمن له الجنة.

(بخاری: ج۲ ص۹۵۸)

کہ جو مجھے ضمانت دے اس چیز کی جو دونوں جبڑوں کے مابین ہے (یعنی زبان کی) اور جو دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ کی) تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

زبان اور شرمگاہ کی ضمانت سے مراد اس سے متعلقہ حقوق ہیں، کہ زبان کو روکے رکھے اسی طرح شرمگاہ کی بھی حفاظت کرے، حرام کاری سے بچے اور محل حلال پر قانع رہے، نہ زبان سے غلط بات کہنے کی کوئی گنجائش ہے نہ ہی شرمگاہ حرام کاری کے لیے آزاد ہے۔ زبان کے بارے میں تو آپ نے صاف صاف فرمایا:

من كا ن يؤمن با لله و اليوم الآخر فليقل خيرا أو ليسكت.

(بخاری: ج۲ ص۹۵۹)

جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات منہ سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔

مسلمان کی علامت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المسلم من سلم المسلمو ن من لسا نه و يد ه. (بخاری: ج ا ص ٦)

مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

زبان سے ایذا دینا اور پریشان کرنا مسلمان کی شان نہیں۔ مسند امام احمد،

ابن حبان، مستدرک حاکم اور صحیح الترغیب ج ۲ص ۲۸۲ وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے ایک عورت کا ذکر کیا بڑی نفلی نمازیں پڑھتی، صدقہ و خیرات کرتی اور روزے رکھتی مگر زبان سے اپنے پڑوسی کو تنگ کرتی تھی، آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: وہ جہنمی ہے، پھر ایک اور عورت کا ذکر کیا جو نفلی نماز اور روزہ کا کم ہی اہتمام کرتی تھی اور پنیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ کرتی تھی، البتہ وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں دیتی تھی، آپ نے فرمایا: وہ جنت میں جائے گی۔

زبان کی حفاظت کے نتیجہ میں انسان بہت سی آفات سے بچ جاتا ہے، مثلاً جھوٹ، غیبت چغل خوری، بدزبانی، لڑائی جھگڑا، ہنسی و مذاق، ہتک عزت، مدح وذم، پردہ دری، تمسخر، تکبرلعن وطعن، بہتان وغیرہ سے حتی الوسع محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے بڑے جامع انداز میں فرمایا:

" من صمت نجا " جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

(احمد، ترمذی، صحیح الترغیب: ج ۳ص ۹۴ وغیرہ)

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی تو آپ سے عرض کیا کہ نجات کا ذریعہ کیا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

املک علیک لسانک ویسعک بیتک و ابک علی خطیئتک. (ترمذی ،احمد،صحیح الترغیب : ج۳ص ۸۴)

اپنی زبان کو قابو میں رکھو اپنے گھر میں پڑے رہو۔ اور اپنے گناہوں پر روو۔

حضرت سفیان بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا:

ما أخوف ما تخاف علي؟ قال: فأخذ بلسان نفسه وقال: هذا.

(ترمذی صحیح الترغیب : ج۳ص ۸۷)

کس چیز کو آپ میرے لیے سب سے زیادہ خوفناک سمجھتے ہیں؟ آپ نے اپنی زبان کو پکڑا اور فرمایا: یہ، (میں سب سے زیادہ خوفناک سمجھتا ہوں)۔

حضرت ابو بکرؓ جنہیں دربار رسالت سے صدیق وعتیق کا لقب ملا تھا، زبان کے

بارے میں کس قدر خائف تھے اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کے بیان سے لگا لیجئے کہ ایک بار وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی زبان کو کھینچ رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ٹھہریں اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، (یہ کیا ہو رہا ہے) حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: " اِنّ ھذا اوردنی الموارد "اس نے مجھے ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔

(موطا : ص ۳۸۷ و غیرہ)

اگر غور کیا جائے تو کلام کی مجموعی طور پر چار قسمیں ہیں۔

۱۔ جو دنیا و آخرت میں نفع بخش ہو۔

۲۔ جو نقصان اور ضرر پر مبنی ہو۔

۳۔ جس میں نقصان یا نفع دونوں کا احتمال ہو۔

۴۔ جس میں نہ کوئی فائدہ نہ ہی نقصان ہو۔

جو کلام محض ضرر پر مبنی ہو اس سے اجتناب واجب ہے، اور جس میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہے اس سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ چوتھی قسم فضول کلام کی ہے، جس میں وقت کا ضیاع ہے، سراسر گھاٹے کا باعث ہے، اور مومن کی شان کے منافی ہے، صرف پہلی قسم نفع کا سبب ہے، مگر یہ بھی خطرہ سے خالی نہیں، اس میں ریاء، تصنع اور تکبر کا احتمال ہے، اس لیے خاموشی اور سکوت میں ہی عافیت ہے، عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ابن آدم کی اکثر خطا کا سبب اس کی زبان ہے۔ (بیہقی، طبرانی، الترغیب ۵۴۳: ج ۳)

امام عطاءؒ فرماتے ہیں: کہ ہمارے اسلاف ہر اس کلام کو فضول سمجھتے تھے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہو، امر بالمعروف اور نھی عن المنکر سے جس کا تعلق نہ ہو یا کوئی جائز دنیوی فائدہ اس میں نہ ہو۔ اس کی تائید حضرت ام حبیبہؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل کلام ابن آدم علیه لا له اِلّا أمر بمعروف أو نهی عن منکر أو ذکر الله. (ترمذی، ابن ماجه، ضعیف الترغیب : ج ۲ ص ۲۴۲)

ابن آدم کا ہر کلام اس پر بوجھ ہے، اس کے لیے (مفید) نہیں الا یہ کہ امر

بالمعروف، نہی عن المنکر ہو یا اللہ کا ذکر ہو۔

امام سفیان ثوریؒ کے پاس کسی نے اس فرمان نبوی پر تعجب کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا: اس میں تعجب کی کونسی بات ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے۔

لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوْفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ. (النساء: ۱۱۴)

ان کے اکثر مشوروں میں کوئی خیر نہیں، الّا یہ کہ کوئی شخص صدقہ کرنے یا اچھا کام کرنے یا لوگوں کے مابین صلح کرانے کا حکم دے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ الْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِ نْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴾

کہ انسان سراسر خسارے میں ہے، مگر ایمان دار عمل صالح کرنے والے، حق اور صبر کی وصیت کرنے والے، اور اس حدیث میں بھی یہی کچھ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ص ۶۱۰، ج ۱)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تكثروا الكلام بغير ذكر الله فإنّ كثرة الكلام بغير ذكر الله قسوة للقلوب. (ترمذی: ج۳ص ۲۸۹ و حسنه قاله المنذری)

کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کیا کرو، کیونکہ زیادہ باتیں کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لا يستقيم إيمان العبد حتّٰى يستقيم قلبه ولا يستقيم قلبه حتى يستقيم لسانه. (احمد، صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۸۷ وغیرہ)

انسان کا ایمان اس وقت تک سیدھا نہیں ہوتا جب تک دل سیدھا نہ ہو، اور دل اس وقت تک درست نہیں جب تک زبان درست نہیں۔

زبان کی اسی اہمیت اور کثرت سے خطاؤں کا باعث بننے کی بنا پر ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: کہ اس اللہ کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود نہیں، روئے زمین پر سب سے

زیادہ قید میں رکھنے والی چیز زبان ہے۔(مجمع الزوائد ص ۳۰۳ ج ۱۰، الزھد لا بن المبارک ص ۱۲۹ وغیرہ) بلکہ عمرو بن دینارؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص کثرت سے باتیں کررہا تھا آپ نے اسے فرمایا: کہ تمہاری زبان کتنے پردوں میں ہے؟ اس نے عرض کیا دو ہونٹوں اور دانتوں (یعنی دو پردوں) میں، آپ نے فرمایا: ان میں سے کسی نے بھی تمہیں کلام کرنے سے منع نہیں کیا؟

(المغنی للعراقی :ص ۱۱۲ ج ۳، علی الا حیاء رجالہ ثقات)

امام ربیع بن خثیمؒ کا شمار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے، زبان کے بارے میں ان کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان کی بیٹی نے ان سے کھیلنے کی اجازت طلب کی جب اس کا اصرار بڑھا تو حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا: آپ اجازت دے دیجیے، فرمایا:

"لا و اللہ لا یکتب اللہ علی الیوم انی أمرتھا تلعب"

اللہ کی قسم نہیں، اللہ تعالیٰ آج کے روز میرے نامہ اعمال میں یہ نہ لکھ دیں کہ میں نے اسے کھیلنے کی اجازت دی تھی۔(الثقات للعجلی :ص ۱۵۴)

امام عامر شعبیؒ کا بیان ہے کہ حضرت ربیعؒ جب سے تہبند باندھنے لگے اس وقت سے کبھی بھی عام مجلس میں یا بازار میں نہیں بیٹھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی پر ظلم ہو اور میں گواہی دینے میں پیچھے رہوں، یا کسی کا بھاری بوجھ نہ اٹھا سکوں، یا کوئی سلام کہے تو میں اس کا جواب نہ دوں، یا میں اپنی نگاہ نیچی نہ رکھ سکوں، یا بھولے ہوئے کو راستہ نہ بتلاؤں، بس اس ڈر سے وہ ہمیشہ گھر میں بیٹھتے۔ ان کے زہد و ورع کی داستان طویل ہے، امام غزالیؒ نے لکھا ہے: کہ امام ربیع قلم و قرطاس پاس رکھتے جو بولتے لکھتے جاتے، شام ہوتی تو اس کا محاسبہ کرتے۔

امام محمدؒ بن واسع نے حضرت مالکؒ بن دینار سے فرمایا:

یا أبا یحییٰ حفظ اللسان أشد علی الناس من حفظ الدینار و الدرھم.

کہ اے ابو یحییٰ! لوگوں پر زبان کی حفاظت، درہم و دینار کی حفاظت سے کہیں بھاری اور ضروری ہے، مگر لوگ درہم و دینار کی حفاظت میں سرگرداں ہیں اور زبان کی حفاظت میں بے پرواہ ہیں۔

قیل وقال اور کثرت سوال سے اجتناب

زبان کی حفاظت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کثرت سوال اور قیل وقال سے اجتناب کیا جائے، چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہ حرّم علیکم عقوق الأمهات و منعًا وهات ووأدالبنات وکرہ لکم قیل وقال، وکثرۃ السؤال واِضاعۃ المال .

(بخاری، مسلم : ج ۲ ص ۸۸۴)

تم پر اللہ تعالیٰ نے ماؤں کی نافرمانی اور ان کو ستانا اور دینے والی عام چیزیں (آگ پانی، برتن، دیا سلائی وغیرہ) نہ دینا اور لوگوں سے مانگنا اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا حرام قرار دیا ہے، اور بے فائدہ باتیں کرنے، بے ضرورت کثرت سے سوال کرنے اور مال ضائع کرنے کو ناپسند اور مکروہ ٹھہرایا ہے۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ایسا فرمان لکھ بھیجئے جو آپ نے ان سے سنا ہے، تو انہوں نے یہ حدیث لکھ کر بھجوائی:

اِنّ اللّٰہ کرہ لکم ثلاثًا :قیل و قال واِضاعۃ المال و کثرۃ السؤال . (بخاری :۱۴۷۷، ۲۲۹۲.)

کہ اللہ تعالیٰ کو تین چیزیں ناپسند ہیں، بے فائدہ باتیں، مال کو ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔

قیل وقال سے مراد لوگوں کی لایعنی باتوں کی حکایت ہے اور وہ باتیں بھی جن کی صحت کا علم نہ ہو، بلکہ امور دین میں علماء کی مختلف آراء کی حکایت بھی اس میں شامل ہے جس میں کہا جاتا ہے۔ ”قال فلان کذا وقال فلان کذا کہ فلاں نے یوں کہا، فلاں نے یوں کہا“ یوں اختلاف اقوال سے غیر محتاط اور آزاد طبع لوگ اپنے لیے رخصتوں کا چور دروازہ

اور زیغ وضلال کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔

اور کثرت سوال سے مراد وہ سوال ہے جو در، در پر حصول زر کے لیے سائلین کرتے ہیں، اور وہ بے معنی سوالات بھی جن کا عقیدہ وعمل سے کوئی تعلق نہیں اسی طرح متشابہات کے بارے میں سوال یا کسی حادثہ یا کسی انسان یا تاریخی واقعات سے متعلقہ جزئیات کا سوال جیسے حضرت نوحؑ کی کشتی کی تفصیلات، حضرت موسیٰؑ کے عصا یا حضرت عیسیٰؑ پر مائدہ کے نزول کی تفصیلات کا سوال۔ بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم ملا انہوں نے سوال در سوال سے کہ گائے کیسی ہو، اس کا رنگ کیسا ہو؟ اس کی نوعیت و ماہیت کیسی ہو؟ خود اپنے لئے مشکلات پیدا کر لیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس طرح کے سوالات سے منع فرمایا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا: کہ لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تم حج کرو، تو ایک آدمی نے عرض کیا، کیا ہر سال حج ہے؟ آپ اس کے جواب میں خاموش رہے، اس نے تین بار یہ سوال دہرایا، تو آپ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

ذرونی ما ترکتم فاِنّما هلک من کان قبلکم بکثرة سؤالهم و اختلافهم علی انبیاءهم. (مسلم: ج ۱ ص ۴۳۲)

جب تک میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ رکھوں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اس لیے کہ پہلے لوگ کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔

صحابہ کرامؓ اکثر و بیشتر سوال کرنے سے گریز کرتے، ان کی تمنا رہتی کہ کوئی باہر سے دیہاتی آئے اور وہ مسئلہ پوچھ لے، ہمیں بھی اس کا علم ہو جائے۔ (فتح الباری: ص۲۶۶ ج ۱۳)

ضرورت مند کے لیے سوال کرنا اور مسئلہ دریافت کرنے کا خود آپ ﷺ نے حکم فرمایا: کہ "انما شفاء العی السوال" (ابو داود: ج ۱ ص ۱۳۲ وغیرہ) کہ بیمار کا علاج سوال کرنے میں ہے لیکن بے مقصد اور آئندہ حوادثات کے بارے میں سوال در سوال سے آپ نے منع فرمایا، بلکہ ایسے سوالات سے آپ ناراضی کا اظہار بھی فرماتے۔ کسی نے

پوچھا میرا باپ کون ہے؟ کسی نے دریافت کیا میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ آپ نے انہیں جواب دیتے ہوئے غصہ میں فرمایا: پوچھو کیا پوچھتے ہو، حضرت عمرؓ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو پکار اٹھے:

رضینا باللہ ربًّاوّ بالِاسلام دینًا وّ بمحمد رسولا.

(بخاری مع الفتح: ص ۲۶۴، ۲۶۵ ج ۱۳)

اسی طرح ایسے مسائل کے بارے میں سوالات جنکا رونما ہونا عادۃ محال ہے، اسی کثرت سوال کے زمرہ میں آتا ہے بلکہ صحابہ کرامؓ تو ایسے مسائل کے بارے جواب دینے سے گریز کرتے تھے جو وقوع پذیر نہیں ہوتے تھے۔ امام دارمیؒ نے اپنی سنن کے مقدمہ (ص ۴۷ ج ۱) میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ص ۲۶۶ ج ۱۳) میں اس سلسلے میں متعدد آثار نقل کئے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں: کہ جو واقعہ ہوا نہیں اس کے بارے میں مت سوال کیا کرو، کیونکہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا "یلعن من سأل عما لم یکن" کہ وہ اس شخص پر لعنت کرتے تھے جو ایسی بات کے معاملے میں سوال کرتا جو ابھی واقع نہیں ہوئی ہوتی تھی، بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تو اس نوعیت کی جسارت کو اسباب فتن میں شمار کیا ہے، چنانچہ اپنی معرکۃ الاراء تصنیف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء کی فصل پنجم میں اسباب فتن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہفتم تعمق مردم درمسائل فقہیہ وتکلم برصور مفروضہ کہ ہنوز واقع نہ شدہ است و سابق این معنی را جائز نمی داشتند الخ۔ (ازالہ مترجم: ص ۴۹۹، ج ۱)

فتنہ کے دور میں ہونے والا ساتواں عمل یہ کہ مسائل فقہیہ میں غور وخوض کرنا اور مسائل کی فرضی صورتیں جو ابھی واقع نہیں ہوئیں (اپنے ذہن سے تراش کر لوگوں کے سامنے) بیان کرنا، پہلے حضرات اسے جائز نہیں سمجھتے تھے۔

اس کے بعد انہوں نے دارمیؒ کے حوالے سے ان آثار کو نقل کیا ہے، جن کی طرف ابھی ہم اشارہ کر آئے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ بھی رقمطراز ہیں:

و ثبت عن جمع من السلف كراهة تكلف المسائل التی یستحیل و قوعها عادة أو يندر جدا. (فتح الباری: ص ۴۰۷، ج ۱۰)

کہ سلف کی ایک جماعت ان مسائل کے بارے تکلف کو مکروہ سمجھتی ہے، جن کا واقع ہونا عادۃ محال ہے یا بہت شاذ و نادر ہیں۔

بلا شبہ اس بارے میں فقہاء اہل الرائے کا مشغلہ بڑا ہی وسیع و عجیب رہا ہے، جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے: کہ کتب فقہ میں بعض ایسے سوال مندرج ہیں کہ محال عادی ہیں۔ (البراھین القاطعہ: ص ۱۳) غور فرمایا آپ نے کہ سلف میں جو بات ناپسند تھی فتنہ کے دور میں وہی خوب سے خوب تر ہوتی چلی گئی۔ ع

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

اور ایسی کوشش بھی کثرت سوال اور قیل و قال کی ہی ایک شکل ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

لایعنی باتیں وقت کا ضیاع

اس جہاں میں ایک قیمتی متاع وقت ہے مال بلا شبہ بہت بڑی نعمت ہے۔ جو بڑی محنت و مشقت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ ''قوام'' انسانیت ہے، مگر یہ بھی تبھی جب اس کے حصول میں وقت ضائع نہ کیا جائے، پھر مال تو جمع ہوتا ہے اور ذخیرہ کرلیا جاتا ہے مگر گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، بچپن گیا، جوانی کیا گئی کہ زندگی کی بہار ہی چلی گئی، صحت و جوانی کی شام ہونے لگی تو بڑھاپا دستک دینے لگا، جو چلنے کے لیے لاٹھی، دیکھنے کے لیے چشمہ اور مختلف پریشانیوں کی سوغات دیتا ہے، اس لیے وقت حقیقۃً مال وزر سے بھی قیمتی بلکہ وقت ہی زندگی ہے۔ انسانی زندگی اس وقت سے وابستہ ہے اس کو لایعنی باتوں اور مشغلوں میں ضائع کر دیا تو گویا زندگی ہی ضائع کردی سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والا یہی غافل شعار، وقت کی قدر و قیمت نہ پہچاننے والا ہے۔ حضرت محمد بن حاتمؒ الترمذی فرماتے ہیں:

رأس مالك قلبك ووقتك وقد شغلت قلبك بهواجس

الظنون و ضیعت أو قاتک بارتکاب ما لایعنیک فمتی یربح من خسر رأس ماله. (ذم الھوی :ص ۴۹۹)

تیرا راس المال تیرا دل اور وقت ہے تو نے اپنے دل کو ظنون کے وساوس سے مشغول کرلیا، اور اپنے اوقات کو لایعنی مشاغل میں برباد کرلیا ہے، جس کا راس المال ہی اجڑ جائے اسے فائدہ کیسے پہنچے گا۔

مزید غور کیجئے کہ زندگی کا یہ وقت مختلف اور ایک سے ایک قیمتی اور برکت و سعادت کے لحاظ سے متفاوت ،اس کا ایک لمحہ دوسرے لمحہ سے کہیں بڑھ کر ہے، اوران اوقات میں عمل کی حیثیت بھی کئی درجہ بڑھ جاتی ہے رمضان المبارک ،رمضان کی آخری دس راتیں، بالخصوص لیلۃ القدر، عشرہ ذوالحجہ رات کا آخری حصہ وغیرہ، ان قیمتی ایام ولیالی کو لایعنی مشاغل میں گزارنا سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ الْعَصْرِ o اِنَّ الْاِ نْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o ﴾

زمانے کی قسم ،انسان خسارے میں ہے۔

اس میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ وقت ہے جو بڑی تیزی سے گزر رہا ہے۔ امام الرازیؒ نے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے: کہ میں نے سورۂ العصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگارہا تھا، کہ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ گھلا جارہا ہو، اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا ﴿ وَ الْعَصْرِ اِنَّ الْاِ نْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی جو مدت انسان کو دی گئی ہے، وہ برف کے گھلنے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے، اسے اگر ضائع کیا جائے یا غلط کاموں میں صرف کرڈالا جائے تو یہی انسان کا خسارہ ہے، اور اس خسارہ سے وہی محفوظ ہوتا ہے جو چار اوصاف سے متصف ہوگا، ایمان، عمل صالح ،تواصی بالحق ،تواصی بالصبر۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس، الصحة و الفراغ.

(بخاری: ج۲ ص ۹۴۹)

دو نعمتیں ہیں کہ ان کے بارے میں اکثر لوگ (ان کے غلط استعمال کی وجہ سے) خسارے اور گھاٹے میں رہیں گے، صحت اور فراغت۔

گویا اس حدیث میں انسان کو تاجر اور صحت و فراغت کو راس المال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو تاجر اپنے راس المال کو بڑی احتیاط سے خرچ کرتا ہے وہ نفع اٹھاتا ہے، مگر جو اسے ضائع کر دے اس کا استعمال غلط کرے وہ بہر نوع خسارہ اٹھاتا ہے، اسی طرح جو انسان اپنا وقت اور اپنی صحت و توانائی بے فائدہ اور فضول کاموں میں ضائع کرتا ہے اس کا خمیازہ قیامت کے دن اسے بہر حال بھگتنا پڑے گا جب ہر چیز کا حساب و کتاب ہوگا اور اس کے ایک ایک قول و عمل کو میزان عدل میں تولا جائے گا، اس لیے زندگی کے یہ قیمتی لمحات، گپ شپ میں اور وقت کٹی کے لیے فضول محفلوں میں بیٹھ کر برباد کرنے کے لیے نہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اغتنم خمسًا قبل خمس، شبابک قبل هرمک، و صحتک قبل سقمک و غناک قبل فقرک، وفراغک قبل شغلک،و حیاتک قبل موتک.

(حاکم وقال: صحیح علی شرطهما ،صحیح الترغیب : ج۳ص ۳۱۱)

تم پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، فقیری سے پہلے غنا کو، مشغولیت سے پہلے فراغت کو، اور موت سے پہلے زندگی کو۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی ہے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیے اور زندگی کے ان قیمتی لمحات کو فضول مشاغل میں ضائع کرنے کی حماقت نہیں کرنی چاہیے، قیامت کے روز دوسرے انعامات کے ساتھ ساتھ زندگی کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما تزال قد ما عبد یوم القیامة حتی یسال عن أربع عن عمره فیم أفناه وعن شبابه فیم أبلاه؟ وعن ماله من أین اکتسبه وفیم أنفقه وعن علمه

ما ذا عمل فيه. (بيهقی، صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۶۳ او غیرہ)

قیامت کے روز انسان کھڑا رہے گا، تا آنکہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں صرف کیا، اس کی جوانی کے بارے میں کہ وہ کہاں ضائع کی، اس کے مال کے بارے میں کہ وہ کہاں سے کمایا اور کہاں صرف کیا؟ اور اس کے علم کے بارے میں کہ اس کے مطابق کس قدر عمل کیا؟

لہٰذا لایعنی باتوں اور مشغلوں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا سراسر خسارے کا سودا ہے، ہم نے عرض کیا کہ وقت کی حیثیت راس المال کی ہے، ظاہر ہے کہ جس قدر راس المال ہوگا اور اسے اچھی جگہ پر صرف کیا ہوگا، اس کا فائدہ بھی زیادہ ہوگا، بالکل اس طرح جس کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر عطا فرمائی اور وہ اس میں نیک عمل کرتا رہا، وہ کامیاب ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

خير النا س من طال عمر ہ وحسن عمله.

(ترمذی مع التحفة. ص ۲۶۴، ج ۳، صحیح الترغیب: ج ۳ ص، ۳۱۳)

بہتر انسان وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل نیک ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو آدمی مسلمان ہوئے ایک جہاد کے دوران میں شہید ہوگیا اور دوسرا ایک سال بعد انتقال کر گیا حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ایک سال بعد فوت ہونے والا شہید سے پہلے جنت میں جا رہا ہے میں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنے شہید بھائی کے بعد رمضان کے روزے نہیں رکھے اور سال بھر نمازیں نہیں پڑھیں؟ (مسند احمد، ابن حبان، صحیح الترغیب: ج ۳ ص ۳۱۳)

جس سے عیاں ہوتا ہے کہ عمر کی قدر و قیمت کیا ہے اور اسے فضول کاموں میں صرف کرنے کا نقصان کتنا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما جلس قوم مجلسًا لم يذكر الله فيه ولم يصلوا على نبيهم الا

کان علیھم ترۃ فاِن شآء عذبھم واِن شآء غفرلھم.

(ترمذی، وابوداود، صحیح الترغیب: ج ۲ ص ۱۲ وغیرہ)

جولوگ کسی مجلس میں بیٹھیں، اس میں اللہ کا ذکر نہ کریں اور نہ اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجیں تو یہ مجلس ان کے لیے حسرت ہوگی، پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں عذاب دے گا چاہے گا تو معاف فرمادے گا۔

گویا قیامت کے روز جب زندگی کی کیسٹ چلادی جائے گی اور انسان اپنی تمام حرکات وسکنات کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا، تو ایسی مجلسوں پر حسرت و یاس کا اظہار کرے گا جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی ﷺ پر درود نہیں پڑھا گیا ہوگا۔ بلکہ صحیح ابن حبان اور مسند احمد میں تو یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

اِلا کان علیھم حسرۃ یوم القیامۃ وان دخلوا الجنۃ للثواب.

(صحیح الترغیب ج ۲ ص ۲۱)

جنت میں جانے کے باوجود وہ ان مجلسوں پر حسرت کریں گے۔

یعنی کاش ان مجلسوں میں گپ شپ کی بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا، آنحضرت ﷺ پر درود پڑھتا تو جنت میں اس سے بلند مقام پر ہوتا۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوشخص ''سبحان اللہ العظیم وبحمدہ'' پڑھتا ہے، اس کے لیے ایک کھجور کا درخت جنت میں بودیا جاتا ہے (الترمذی وغیرہ الصحیحۃ ۶۴) یہ اور اسی نوعیت کے دوسرے اذکار کی فضیلت ملحوظ رکھیں اور غور فرمائیں یہ وقت کتنا قیمتی ہے۔

امام ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد الداوودیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بڑے ذاکر اور متقی انسان تھے۔ ہر لمحہ اللہ کی یاد میں صرف ہوتا اور ان کے ہونٹ ذکر الٰہی سے ہلتے رہتے۔ ایک بار حجام سے بال کٹوانے لگے تو حجام نے کہا: جناب! ہونٹ نہ ہلائیں تاکہ بال کاٹ سکوں، فرمایا: ''قل للزمان یسکن'' زمانہ سے کہو کہ وہ رک جائے (السیر ص ۲۲۵ ج ۱۸) گویا اتنا وقت ضائع کرنا بھی انھیں گوارا نہ تھا۔

اسی طرح امام یوسف بن یحییٰ البویطیؒ جو امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد ہیں، ان

کے شاگرد امام ربیعؒ کا بیان ہے کہ امام البویطیؒ کے ہونٹ ذکر الٰہی سے ہلتے رہتے تھے۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں حاکم وقت نے انھیں جیل میں ڈال دیا تھا۔ جیل ہی میں جمعہ کی اذان سنتے تو غسل کر کے صاف لباس پہن کر جیل کے دروازے پر آ جاتے۔ داروغہ کہتا: واپس چلے جائیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہتے: ''اللھم انک تعلم إنی قد أجبت داعیک فمنعونی '' اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے داعی کی آواز پر لبیک کہا مگر انھوں نے مجھے روک دیا ہے۔ (التھذیب ص ۴۲۷، ۴۲۸ ج ۱۱ وغیرہ)

ذکر الٰہی میں استغراق کی یہی کیفیت شیخ خراسان امام ابوعبداللہ احمد بن حرب کی تھی کہ ہر وقت ان کے ہونٹ ذکر الٰہی سے ہلتے رہتے۔ حجام نے انھیں کہا کہ ذرا رک جائیں تاکہ میں بال کاٹ سکوں۔ فرمایا: آپ اپنا کام کریں۔ اسی سبب سے بعض دفعہ ان کا ہونٹ زخمی ہو جاتا مگر انھیں اس کا احساس نہ ہوتا۔ (السیر ص ۳۳ ج ۱۱)

امام بخاریؒ کے استاد امام عبیدؒ بن یعیش کے بارے میں لکھا ہے کہ خود انھوں نے فرمایا: تیس سال سے رات کو میں نے اپنے ہاتھ سے لقمہ منہ میں نہیں ڈالا۔ میں احادیث لکھتا تھا اور میری بہن نوالے بنا بنا کر میرے منہ میں ڈالتی رہتی۔

(السیر ص ۴۵۹ ج ۱۱، تاریخ جرجان ص ۴۱۱)

امام سلیمؒ بن ایوب الرازی کے بارے میں ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ ان کا کوئی وقت ضائع نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار ان کا قلم لکھتے لکھتے گھس گیا تو انھوں نے قلم ساتھی کو دے دیا کہ وہ اسے درست کر دے اور خود اللہ کا ذکر کرنے لگے کہ مبادا یہ وقت ضائع ہو جائے۔ (تبیین کذب المفتری ص ۲۶۳)

یہ اور اسی نوعیت کے دیگر واقعات سے اندازہ کیجیے کہ ہمارے اسلاف کے ہاں وقت کی کیا قدر و منزلت تھی؟

وقت خام مال کی مانند ہے، جیسے خام لکڑی بڑھئی کے ہاتھ میں، یا خام لوہا لوہار کے ہاتھ میں، کاریگر چاہے تو اس سے عمدہ چیز تیار کر لے، یا اسے ضائع کر دے۔ وقت کی قدر کر کے بندہ مومن اپنی دنیا و آخرت سنوارتا ہے، طالبعلم ترقی کی منازل طے کرتا ہے، مسافر

منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے، تاجر منزل مراد پاتا ہے۔لیکن اگر مسافر اور تاجر ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھا وقت ضائع کر دے وہ کبھی اپنی منزل نہیں پا سکتا۔ طالب علم محنت نہ کرے امتحان گاہ میں پرچہ حل کرنے کی بجائے ادھر ادھر جھانکنے میں وقت ضائع کر دے تو وہ کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا، یہ دنیا دار العمل ہے اور عمل بھی عمل صالح جو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہو اس سے ہٹ کر ہر عمل باطل اور زندگی برباد کرنے کے مترادف ہے، بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ زندگی کے لمحات کو قیمتی بنانے کی کوشش کرے اور لایعنی و فضول قول و عمل میں ضائع کرنے سے اجتناب کرے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴾(المؤمنون: ۴)

اور وہ جو زکوۃ دیا کرتے ہیں۔

فلاح وفوز کا تیسرا ذریعہ ''زکاۃ'' بتلایا گیا ہے۔ جس کے معنی اکثر مفسرین نے مالی زکاۃ کے کئے ہیں، اور بعض کے نزدیک اس سے مراد شرک ونجاست سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھنا ہے، اور معنی یہ ہوں گے کہ وہ تزکیہ کا کام کرنے والے ہیں، جس میں ہر قسم کا تزکیہ شامل ہے، تزکیہ نفس، تزکیہ اعمال واخلاق، تزکیہ مال۔

علامہ آلوسیؒ نے کہا ہے: ظاہر بات یہ ہے کہ یہاں مراد تزکیہ ہے (روح: ص۵ ج۱۸) علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں: کہ زکاۃ سے یہاں مراد طہارت اور پاکیزگی ہے اور '' للزکوۃ'' میں لام تعلیل کے لیے ہے، یعنی وہ جو بھی نیک عمل کرتے ہیں، اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں پاک صاف کردے، یا وہ اپنے نفوس کو پاک صاف کرنے کے لیے عبادت کرتے ہیں، اس کی تائید ان آیات سے بھی ہوتی ہے: ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴾ (الأعلى: ۱۴، ۱۵) بے شک فلاح پائی اس نے جو پاک ہوا اور اپنے رب کا نام یاد کیا، نماز پڑھی'' اور ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴾ (الشمس: ۹، ۱۰) بیشک فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور بے شک نامراد ہوا وہ جس نے اسے (گناہوں میں) دبا دیا'' کہ دونوں جگہ گناہوں سے پاک صاف ہونا ہی مراد ہے۔ (مفردات القران، روح المعانی)

تاہم اجلہ واکثر مفسرین نے اس سے زکاۃ مالی مراد لی ہے، اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ معروف قول کے مطابق زکاۃ ہجرت کے بعد فرض ہوئی، جبکہ یہ سورۃ مکی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے: کہ مطلقاً زکاۃ وانفاق کا حکم تو مکہ مکرمہ میں تھا مگر اس کا باقاعدہ حکم اور اس کی مقدار اور اس کا نصاب مدینہ طیبہ میں مقرر ہوا۔

سورۂ المزمّل ابتدائی سورتوں میں سے ہے، جس میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾

(المزمل: ۲۰)

نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو اور اللہ کو اچھا قرض دو۔

اسی طرح سورۃ الانعام بھی مکی سورتوں میں شمار ہوتی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے

﴿وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام: ۱۴۱)

کہ کٹائی کے دن فصل کا حق ادا کرو۔

سورۂ لقمان مکی ہے، جس میں محسنین کی علامت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ (لقمان: ۴)

جو نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

بعثت کے پانچویں سال ہجرت حبشہ ہوئی، نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ نے اسلام کی تعلیمات کا جو نقشہ کھینچا اس میں یہ بھی تھا کہ پیغمبر ﷺ نے ہمیں سکھلایا ہے کہ ہم نماز پڑھیں، روزے رکھیں اور زکوۃ ادا کریں۔ (مسند احمد: ج ا ص ۲۰۲، وغیرہ)

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ص ۲۶۷ ج ۳) میں اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، اور فرمایا ہے: کہ ابھی تو نماز اور روزہ بھی فرض نہیں ہوا تھا اس لیے اس سے مراد مطلقاً نماز، روزہ اور زکوۃ ہے۔ فرض نماز، رمضان کا روزہ اور فرض زکوۃ نہیں۔ گویا مکی سورتوں میں زکاۃ سے مراد مطلقاً اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ علامہ سیوطیؒ اور ان سے قبل علامہ زرکشیؒ وغیرہ نے کہا ہے: کہ کبھی آیت کا نزول حکم سے پہلے بھی ہوتا ہے، الاتقان کی النوع الثانی عشر میں اور علامہ زرکشی نے (البرھان: ص ۳۲ ج ۱) میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور اس کی مثالیں پیش کی ہیں اور اس میں انہوں نے زکاۃ کو بھی شامل کیا ہے، لکھتے ہیں:

قد ذکر اللہ الزکوۃ فی السور المکیات کثیراً تصریحاً و تعریضاً بانّ اللہ سینجز وعدہ لرسولہ ویقیم دینہ و یظھر حتی یفرض الصلاۃ و الزکاۃ و سائر الشرائع. (الاتقان: ص ۳۶ ج ۱)

اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کا ذکر مکی سورتوں میں تصریحاً و تعریضاً باکثرت کیا ہے، اور وہ

اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا فرمائے گا دین کو قائم کرے گا اور تمام ادیان پر اسے غالب کرے گا۔ تا آنکہ نماز وزکاۃ اور تمام احکام شریعت فرض قرار دیئے جائیں گے۔ لھٰذا مکی سورتوں میں زکاۃ کا حکم فرضی زکاۃ کا نہیں جیسا، کہ امام ابن خزیمہؒ امام ابن حزمؒ وغیرہ نے سمجھا ہے، بلکہ نفلی صدقہ مراد ہے۔

زکاۃ کی اہمیت

نماز کے بعد دوسرا بڑا افریضہ زکاۃ ہے جس طرح نماز پہلے ادیان کا جزو لاینفک تھی اسی طرح زکاۃ بھی تمام ادیان میں ہمیشہ ضروری جز رہی ہے، حضرت اسماعیلؑ کے بارے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴾

(مریم: ۵۴۔۵۵)

اور کتاب میں اسماعیلؑ کا قصہ بیان کرو، وہ وعدہ کے سچے اور رسول نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا: کہ انھوں نے مھد مادر میں فرمایا تھا: کہ مجھے حکم ملا ہے:

﴿ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴾ (مریم: ۳۱)

جب تک زندہ رہوں نماز وزکاۃ کا اہتمام کروں۔

بلکہ سورۃ الانبیاء میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴾ (الانبیاء: ۷۳)

اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے، نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کی

وحی کی اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نماز اور زکاۃ کا حکم پہلے سب انبیاء کرامؑ کو تھا، بنی اسرائیل سے عہد و پیمان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾

(البقرة: ۸۳)

اور جب ہم نے بنی اسرئیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین سے، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے اچھا برتاؤ کرو گے، لوگوں سے اچھی باتیں کہو گے، نماز قائم کرو گے، اور زکوٰۃ دیتے رہو گے، پھر ماسوائے چند آدمیوں کے باقی عہد سے پھر گئے۔ اور تم ہو ہی اعراض کرنے والے۔

بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کی اولاد ہیں، حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے، اس بنا پر بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں تقسیم تھے، بنی اسرائیل جب جزیرہ نمائے سینا کے ریگستان میں مارے مارے پھر رہے تھے، تو شدت پیاس کی بنا پر حضرت موسیٰؑ سے الجھ پڑے، تورات کا بیان آج بھی دیکھا جاسکتا ہے: کہ ”وہاں ان لوگوں کو پینے کے لیے پانی نہ ملا، وہاں وہ لوگ موسیٰ سے جھگڑا کر کے کہنے لگے کہ ہم کو پینے کا پانی دے، موسیٰؑ نے ان سے کہا تم مجھ سے کیوں جھگڑتے ہو اور خداوند کو کیوں آزماتے ہو؟ وہاں ان لوگوں کو بڑی پیاس لگی، سو وہ لوگ موسیٰ پر بڑبڑانے لگے اور کہا کہ تو ہم کو اور ہمارے بچوں اور چوپایوں کو پیاسا مارنے کے لیے ہم لوگوں کو کیوں ملک مصر سے نکال لایا؟ (خروج: ب۱۷،۲،۳)

ان کی اس نالائقی اور تلخی و ترشی کے باوجود حضرت موسیٰؑ نے ان کے لیے پانی کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس جھگڑالو قوم کے لیے پتھر سے بارہ چشمے جاری کر دیئے جس کا ذکر سورۂ البقرہ کی آیت ۶۰ میں ہے، تاکہ یہ پانی لینے میں جھگڑنے اور تنگ دلی کا مظاہرہ کرنے سے بچ سکیں۔ اس طرح حضرت موسیٰؑ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ہر قبیلے میں علیحدہ

علیحدہ بارہ نقیب مقرر کئے۔اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ ﴾ (المائدہ ۵:۱۲)

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا، اور ان میں بارہ نقیب (سردار) مقرر کئے اور فرمایا: میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی اور زکاۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان لاکر ان کی مدد کرتے رہے۔

یہاں بھی میثاق میں دوسرے وعدوں کے ساتھ ساتھ نماز کی پابندی اور زکاۃ ادا کرنے کو اپنی مدد ونصرت کے لیے شرط قرار دیا ہے، جس طرح بنی اسرائیل کیلئے نماز وزکاۃ کا حکم ایک ساتھ ہے اسی طرح اس امت کو بھی دونوں کا ایک ساتھ حکم دیا، اور تقریباً اکیس مقامات پر " اَقَامَ الصَّلاۃَ وَ آتیَ الزَّکَاۃَ ' یا "اَقِیْمُوا الصَّلاۃَ وَآتُوا الزَّکَاۃَ" یا "وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلاۃَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکَاۃَ" یا "یُقِیْمُوْنَ الصَّلاۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ " یا" یُقِیْمُوا الصَّلاۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ " یا " اَقَامُوْا الصَّلاۃَ وَآتَوُا الزَّکَاۃَ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔اس طرح احادیث پاک میں بھی دونوں کا ایک ساتھ حکم ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بنی الاسلام علی خمس شهادة أن لّا اله الّا اللّٰه و أن محمداً عبده ورسوله و اقام الصلوة و ایتاء الزکاة و الحج وصوم رمضان.

(بخاری: ج ا ص ٦ و مسلم: ج ا ص ٣٢)

اسلام کے محل کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت جبرائیلؑ نے حاضر ہوکر آپ سے دریافت کیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں آپ نے

ارشاد فرمایا:

الِاسلام أن تشهد أن لا الٰه اِلَّا اللّٰه و أن محمدا رسول اللّٰه وتقيم الصلاة وتؤتى الزكاة و تصوم رمضان و تحج البيت اِن استطاع اِليه سبيلا۔

(مسلم: ج ۱ ص ۲۷)

اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرے، زکاۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے، اگر تمہیں اس طرف جانیکی استطاعت ہے۔

اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں جو صحاح وسنن اور مسانید میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں ۔تمام کا استیعاب مشکل بھی ہے اور تطویل کا باعث بھی ،اسلام جس دین قیم کی رہنمائی کرتا ہے اس کا تصور نماز و زکاۃ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴾ (البينة: ۵)

اور انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں یہی دین قیم ہے، گویا شہادت ایمان کے ساتھ نماز و زکاۃ لازم وملزوم ہے اور ان کی عدم ادائیگی ایمان کے منافی ہے۔

مومنوں کا وصف

نماز و زکوۃ کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اہل ایمان کے اوصاف میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو یکے بعد دیگرے ذکر کیا ہے، کہ مومن نماز پڑھتے اور زکاۃ ادا کرتے ہیں، چنانچہ سورۃ التوبہ میں مومنوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ؕ اُوْلٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ (التوبة: ۷۱)

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں، وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت گزار ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّماوَ لِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُـہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلاۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ راکِعُوْنَ﴾(المائدۃ:۵۵)

(ایمان والو) تمہارے دوست صرف اللہ، اس کے رسول اور ایمان والے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ کے حضور جھکتے ہیں۔

قرآن پاک سے براہ راست کون خوش نصیب مستفید ہوتے ہیں؟ اور یہ کن کے لیے ہدایت وبشارت ہے، سورۃ النمل میں بتلایا گیا ہے: کہ وہ مومن ہیں جن کے اوصاف یہ ہیں:

﴿اَلَّـذِیْـنَ یُـقِیْـمُـوْنَ الـصَّـلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّ کٰوۃَ وَھُمْ بِا لْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ﴾(النمل:۳)

کہ وہ نماز پڑھتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

بالکل یہی بات سورۃ البقرہ کی ابتداء میں بھی فرمائی گی، مگر وہاں ''زکاۃ'' کی بجائے ''وَمِمَّا رَزَقْـنٰـھُـمْ یُـنْفِقُوْ نَ'' فرمایا گیا ہے، کہ جو کچھ ہم نے دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو زکاۃ سے وسیع تر مفہوم کو شامل ہے۔

نماز وزکاۃ کی عدم ادائیگی پر حکم

ان آیات سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ نماز وزکاۃ کے بغیر ایمان کا دعوی مشکوک، بلکہ نا قابل اعتبار ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے تارک کی جان و مال کی حرمت و حفاظت ختم ہوجاتی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

امرت ان اقاتل الناس حتّٰی یشھدوا ان لَّا اِلٰـہ اِلَّا اللّٰہ و ان محمدا رسو ل اللّٰہ ویقیموا الصلٰوۃ ویؤتوا لزکٰوۃ فاِذا فعلوا ذٰلک عصموا منی دمآئھم و اموالھم الا بحق الْاِسلام وحسابھم علی اللّٰہ.

(بخاری: ج ا ص ۸ و مسلم: ج ا ص ۳۷)

مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ شہادت نہ دیں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور وہ نماز قائم کریں، اور زکاۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کرنے لگ جائیں، تب انہوں نے اپنے خون اور مال کو مجھ سے محفوظ کروالیا سوائے اسلام کے حق کے، (مثلاً اگر قاتل ہے تو اسلام اس کے قتل کا حکم دیتا ہے) اوران کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

گویا شہادت ایمان کے ساتھ ساتھ نماز وزکاۃ کی پابندی بھی ضروری ہے، اگر کوئی ان کی پابندی نہیں کرتا تو اس کا مال وجان مباح ہے، اس سے جہاد وقتال کا حکم ہے، اور یہ خلیفۃ المسلمین کی ذمہ داری ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(التوبۃ: ۵)

جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، انہیں پکڑو، ان کا محاصرہ کرو، اور انکی تاک میں ہرگھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔

اس آیت میں حرمت والے چار مہینوں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحج اور محرم) کے گزر جانے کے بعد مشرکین سے جہاد وقتال اور بہر نوع ان کے تعاقب کا حکم ہے البتہ اس کے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی خبردار کیا گیا ہے کہ اس سے بچنے کے لیے تین شرطیں ہیں۔

۱۔ کفر وشرک سے توبہ، یعنی کلمہ شہادت کا اقرار۔
۲۔ توبہ کی عملی تصدیق، نماز کی پابندی۔
۳۔ اور زکاۃ کی ادائیگی۔

اگر کوئی ان شرائط کو پورا کرے گا۔ تو اس کا مال و جان محفوظ رہے گا، ورنہ اپنے آپ کو مقابلہ و مقاتلہ سے محفوظ نہ سمجھے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے محرم راز سیدنا ابو بکر صدیق ؓ نے آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد زکاۃ کا انکار کرنے والوں کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اور فرمایا:

واللّٰہ لأقاتلن من فرّق بین الصلوٰۃ والزکٰوۃ فاِنّ الزکٰوۃ حقّ المال و اللّٰہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدونہ اِلی رسول اللّٰہ ﷺ لقاتلتھم علی منعہ. (بخاری مع الفتح: ص ۲۵۰ ج ۱۳)

اللہ کی قسم جو نماز و زکاۃ میں فرق کرے گا میں اس سے ضرور لڑوں گا، زکاۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھیڑ کا بچہ دیتے تھے مگر آج اس کو نہیں دیں گے تو میں آج ان کے خلاف لڑوں گا۔

لہٰذا تنہا نماز نہیں بلکہ اگر کوئی نماز پڑھتا ہے مگر زکاۃ ادا نہیں کرتا تو آنحضرت ﷺ کے فرمان اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اقدام کے مطابق خلیفۃ المسلمین پر حق ہے کہ وہ اس کے خلاف قتال کرے۔

زکاۃ نہ دینے کا انجام

اگر کوئی خلیفۃ المسلمین کی دسترس سے بچ نکلتا ہے یا حاکم وقت اپنی نالائقیوں کی بنا پر یہ اقدام نہیں کرتا، تو وہ مت سمجھے کہ میں محفوظ رہا، اللہ ذوالجلال کی پکڑ سے بہر آئینہ وہ بچ نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴾

(التوبة: ۳۴،۳۵)

اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، (اے نبیؐ!) انہیں آپ المناک عذاب کی بشارت دے دیں، جس دن سونا و چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا، (اور انہیں کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا، لہٰذا اپنے جمع شدہ خزانہ کا مزہ چکھو۔

''کنز'' ہر اس پونجی پر بولا جاتا ہے جس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتا قیامت کے روز اس کے مال کو آگ کے تختے بنا دیا جائے گا، پھر انہیں جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس کی پیشانی اس کے پہلو اور اس کی پیٹھ پر داغ لگائے جائیں گے، یہ عمل ان کے ساتھ مسلسل قیامت کے دن ہوتا رہے گا۔ جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، بالآخر جب بندوں کا فیصلہ ہو جائے گا تو اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا یا جنت میں۔ (بخاری و مسلم: ج۱ص ۳۱۸) حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں: کہ زکاۃ نہ دینے والوں کے جسم کو بڑا کر دیا جائے گا، اور اس پر اس کا (خزانہ) درہم و دینار چسپاں کر دیئے جائیں گے۔ (طبرانی، صحیح الترغیب: ج۱ص ۴۶۹)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ یہ خزانہ قیامت کے دن سانپ کی شکل دھار لے گا، خزانہ جمع کرنے والا اس کے آگے آگے بھاگے گا اور یہ اس کا پیچھا کرے گا، تا آنکہ اس کی انگلیوں کو لقمہ بنا لے گا۔ (احمد: ج۲ص ۲۷۹) اور ایک روایت میں ہے کہ وہ مال گنجے سانپ کی شکل بن جائے گا، اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نشان ہوں گے اور وہ گلے کا طوق بن جائے گا، اور اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ (بخاری: ج۱ص ۱۸۸)

اعاذنا اللہ تعالی منہ .

اصل خزانہ

جس خزانہ کو انسان آج جمع کرنے میں مصروف ہے، اس کے انجام سے جب

آنحضرت ﷺ نے خبردار فرمایا تو صحابہ اکرامؓ نے پریشان ہوکر عرض کیا ہے کہ ہم کس مال کو حاصل کریں، آپ نے فرمایا:

أفضله لسان ذاكر ،و قلب شاكر ،و زوجة مؤمنة تعينه على ايمانه. (ترمذی: ج۴ ص ۱۱۷،ابن ماجه ، صحيح الترغيب: ج۲ ص ۲۰۷،۴۰۲)

سب سے افضل خزانہ ذکر کرنے والی زبان، شاکر دل، مومنہ بیوی، جو ایمان میں شوہر کی مدد کرے۔

جس کی تائید حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ:

ليس من متاع الدنيا شيء أفضل من المرأة الصالحة.

(مسلم' نسائی: ج۲ ص ۶۴ ابن ماجه ص ۱۳۴ و غیره)

دنیا کے مال و متاع میں نیک بیوی سے بہتر کوئی متاع نہیں۔

مال و دولت تو بوجھ ہے مگر صالح بیوی غربت ہو یا امیری، ہر حال میں بہترین وفادار ساتھی ہے، دنیا کا گھر اس کی بدولت جنت بنتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ قلب شاکر اور لسان ذاکر مل جائے تو سونے پہ سہاگہ ہے۔

زکاۃ کا اجتماعی نظام

اسلام میں انفرادی زندگی کا کوئی تصور نہیں، اسلام اجتماعیت کا داعی ہے، مل جل کے رہنے اور نیکی کے کاموں میں باہم ایک دوسرے سے تعاون کا حکم دیتا ہے۔

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ﴾

ایک دوسرے سے محبت اور ایک دوسرے سے خیر خواہی کی تاکید کرتا ہے، دو ساتھی ہوں تو حکم ہے کہ ایک امیر دوسرا مامور ہو۔ نماز کا وقت ہو تو ایک امام دوسرا مقتدی ہو، انفراداً نہیں بلکہ ﴿ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ با جماعت نماز پڑھنے کا حکم ہے، روزہ ہے تو سبھی مسلمانوں کو رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم دیا، ۲۹ یا ۳۰ دن کی گنتی پوری کرنے کا حکم نہیں فرمایا: رمضان کا پورا ماحول، سحری، افطاری، تراویح وغیرہ روزہ کی آسانی کا باعث بنتا ہے، ورنہ اس کی تکمیل مشکل ہو جاتی۔ حج ہے تو اس کے لیے بھی ایام حج مخصوص ہیں، سبھی

انہی دنوں میں ایک جیسے لباس میں ایک جیسی لبیک کی آواز میں ارکان حج پورے کرتے ہیں۔
زکاۃ کا نظام بھی اپنے اندر اجتماعیت کو لیے ہوئے ہے، مسلمان سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ زکاۃ وصول کرے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾(الحج: ۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں، بھلے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ گویا اسلامی ریاست کا بنیادی اصول ہے، نبی کریم ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾(التوبة :۱۰۳)

اے نبی ﷺ ان کے اموال سے صدقہ لیجئے اور ان کو پاک کیجئے ان کا تزکیہ کیجئے اور ان کے لیے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے، اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

صدقہ وصول کرنے کا یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص نہ تھا، جن لوگوں نے آپ کے انتقال کے بعد اس حکم کی بنا پر زکاۃ دینے سے انکار کر دیا ان کے بارے سیدنا ابوبکرؓ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا: کہ اللہ کی قسم میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک وہ بھیڑ کا بچہ جسے وہ آنحضرت ﷺ کے دور میں زکاۃ میں دیتے تھے وہ ادا نہ کریں۔

(بخاری : ج ۱ ص ۱۸۸ و مسلم : ج ۱ ص ۳۷ وغیرہ)

غور فرمائیں جب "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" کا تقاضا باجماعت نماز ادا کئے بغیر پورا نہیں ہوتا تو "واٰتوا الزکٰوۃ" کا تقاضا بیت المال کے بغیر صحیح طور پر کیونکر پورا ہوگا؟۔
زکاۃ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ

"تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَآءِ هِمْ وَ تُرَدُّ اِلٰى فُقَرَآئِهِمْ." (بخاری: ج ۱ ۱۸۷ وغیرہ)

کہ مسلمانوں کے اغنیاء سے وصول کی جائے اوران کے فقراء میں خرچ کی جائے۔

یہ ”تؤخذ“ کا تقاضا بھی تبھی پورا ہوتا ہے جب اجتماعی طور پر اغنیاء سے زکاۃ وصول کی جائے اور مسلمان جماعت کے فقیر، مسکین، مفلس اور بے سہارا لوگوں میں تقسیم کی جائے۔ مصارف زکاۃ میں ایک مستقل مصرف ”والعاملین علیها“ ہے کہ زکاۃ، زکاۃ وصول کرنے والوں کا بھی حق ہے، جو اس مشن کے لیے وقف ہیں کہ لوگوں سے زکاۃ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرائی جائے، بیت المال میں زکاۃ جمع کرنے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے جب بدترین حاکموں کا تذکرہ کیا، اوران کے ظلم وتعدی سے خبردار کیا، تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم ان کے خلاف نہ لڑیں؟ آپ نے فرمایا: ”لاما صلوا“ جب تک وہ نماز پڑھیں، ان سے مت لڑو۔ بنوامیہ کے دور میں جب بے اعتدالی ہونے لگی تو اکثر صحابہ کرام نے پھر بھی بیت المال میں زکاۃ جمع کرانے کا حکم دیا اور فرمایا: کہ امراء جب تک نماز پڑھیں زکاۃ ان کے ہاں جمع کرو۔

(کتاب الاموال لابی عبید: ص۵۶۸، ۵۶۹ وغیرہ)

امام ابوعبیدؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت تک تو زکاۃ بیت المال میں جمع ہوتی تھی، اس کے بعد بعض نے ازخود بھی زکاۃ تقسیم کرنا شروع کردی، فرماتے ہیں: کہ اموال باطنہ روپے اور سونا چاندی کی زکاۃ تو خود بھی دے سکتا ہے مگر اموال ظاہرہ یعنی جانور اور زمین کا عشر یہ بیت المال میں ہی جمع ہونا چاہیے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول بھی اس کو مؤید ہے کہ انہوں نے بھیڑ کے بچے کا زکاۃ میں وصول کرنے کا ذکر کیا ہے۔ سونا اور چاندی کا نہیں۔ (الاموال: ص۵۷۳)

بیت المال کے ذریعے اگر زکاۃ کا انتظام وانصرام ہو تو ”المحروم“ محروم نہیں رہتا، عزت نفس مجروح نہیں ہوتی، احسان جتلانے سے انسان بچ جاتا ہے، درپردہ مال مستحقین تک پہنچ جاتا ہے اور نمود ونمائش سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

زکاۃ کا ایک نصاب ہے، اور اشیاء زکاۃ کی مقدار اور وقت مقرر ہے، مگر یہ ساری

تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہیں، ہم یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں، کہ مقدار زکاۃ کے تعین سے پہلے مطلقاً اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم تھا، بلکہ عموماً مسلمانوں کے ابتدائی حالات کے پیش نظر ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینے کا حکم تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ وَيَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۵ؕ قُلِ الْعَفْوَ ﴾(البقرۃ: ۲۱۹)

کہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے کہ ضرورت سے جو کچھ بھی زائد ہے (خرچ کرو)۔

مہاجرین لٹ پٹ کر مدینہ طیبہ پہنچے تھے، انصار صحابہؓ نے جس ایثار وقربانی کا مظاہرہ کیا آسمان دنیا نے یہ نظارہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا نہ بعد میں۔ اور ان کے اسی ایثار کا تذکرہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں یوں کیا:

﴿ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ وا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾(الحشر: ۹)

اور جو ان کے (آنے) سے پہلے ایمان لا چکے، اور یہاں (مدینہ میں) مقیم ہیں وہ ان کی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں، اور جو کچھ انہیں دیا جائے وہ اپنے دلوں میں اس کی کوئی حاجت نہیں پاتے، اور وہ ان کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ خود فاقہ سے ہوں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ انصاری صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ پیش کش کی کہ ہمارے کھجوروں کے باغات ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم کر دیجئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں، یہ لوگ تو باغبانی جانتے نہیں، کیا یوں نہیں ہو سکتا کہ باغبانی تم کرو اور پیداوار میں سے حصہ ان کو دو، انہوں نے عرض کیا "سمعنا و أطعنا" ٹھیک ہے ہم نے سن لیا اور تسلیم کیا۔ (بخاری: ج ا ص ۵۳۴)

حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت سعد بن ربیعؓ انصاری کے مابین بھائی چارہ ہوا تو حضرت سعدؓ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ سے کہا میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، آپ میرا مال دو حصوں میں بانٹ کر آدھا لے لیں، میری دو بیویاں ہیں، جسے آپ پسند کریں اسے طلاق دے دیتا ہوں، عدت گزر جانے کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں، حضرت عبد الرحمٰنؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے اہل و مال میں برکت دے، آپ کا بازار کہاں ہے؟ اس کے بعد انہوں نے تجارت کی اور نفع پایا۔ (بخاری: ج۱ص۵۳۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اللہ کے رسول ﷺ میں بھوکا ہوں، آپ نے اہل خانہ سے پتا کرایا کہ کچھ کھانے کو ہے، لیکن وہاں سے جواب آیا کہ کچھ نہیں، پھر آپ نے صحابہؓ سے فرمایا: کوئی ہے جو اس شخص کی مہمانی کرے ایک انصاری صحابی ابو طلحہؓ نے عرض کیا: حضور میں اسکی مہمانی کروں گا، اور وہ اس شخص کو اپنے گھر لے گئے، اپنی بیوی ام سلیمؓ سے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا (بھیجا ہوا) مہمان ہے، لہٰذا جو چیز ہے اسے کھلاؤ، وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم میرے پاس تو بمشکل بچوں کا کھانا ہے، حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا: یوں کرو کہ جب بچے کھانا طلب کریں تو انہیں پیار و محبت سے سلا دینا اور جب ہم دونوں کھانا کھانے لگیں تو چراغ گل کر دینا۔ اس طرح آج رات ہم کچھ نہیں کھائیں گے، اور مہمان کھالے گا، چنانچہ حضرت ام سلیمؓ نے اسی طرح کیا صبح حضرت ابو طلحہؓ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فلاں مرد اور عورت (ابو طلحہؓ، ام سلیمؓ) پر بہت خوش ہوئے ہیں، اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (بخاری: ج۱ص۵۳۵، ۵۳۶) وہ ان کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود فاقہ سے ہوں۔

جب ۴ہجری میں بنو نضیر کا علاقہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انصار صحابہ کرامؓ سے فرمایا: کہ اب بندوبست کی ایک صورت یہ ہے کہ تمہارے باغات اور بنو النضیر کے چھوڑے ہوئے باغات کو ملا کر ایک کر دیا جائے، پھر اس مجموعہ کو تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ اس صورت میں مہاجرین بدستور تمہارے گھروں میں رہیں گے اور تمہارے اموال

میں بھی شریک رہیں گے یا پھر وہ بنوالنضیر کے متروکہ باغات سب کے سب مہاجرین میں تقسیم کردیئے جائیں، یوں وہ آئندہ تمہارے گھروں سے علیحدہ رہیں گے، یہ بات سن کر انصار نے عرض کیا: کہ یہ جائدادان میں تقسیم کردیں: ہماری تمنا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ رہیں اور ہمارے باغات میں سے بھی جو کچھ آپ دینا چاہیں ان کو دے دیں۔ (قرطبی: ص۲۳ ج۱۸، یحیی بن آدم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مہاجرین نے انصار کے اس بے مثال ایثار کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کہ یارسول اللہ! جس قوم کے پاس ہم آئے ہیں ان سے بڑھ کر ہم نے کسی کو ہمدرد، مخلص اور وفاشعار اور تنگی وفراخی میں مددگار نہیں دیکھا، ہمیں اندیشہ ہے کہ سب اجر وثواب تو انہیں مل جائے گا۔ آپ نے فرمایا: نہیں جب تک تم ان کے لیے دعا کرتے رہو۔ (احمد: ص۲۰۰ ج۳، البدایہ: ص۲۲۸ ج۳ وغیرہ)

صحابہ کرامؓ کے ایثار وقربانی کی بے شمار داستانیں سیرت وتاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، یہ سب کچھ ضرورت سے زائد خرچ کردینے کا جذبہ صادقہ ہے، اوران کے اسی اخلاص وایثار کی تعریف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے فرمائی کہ:

﴿ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝ ﴾ (الدھر: ۸، ۹)

وہ کھانے کی چاہت کے باوجود محتاج، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، (اور کہتے ہیں:) ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کھلاتے ہیں، تم سے نہ بدلا چاہتے ہیں نہ شکریہ۔

آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے، تو دوہجری میں باقاعدہ زکاۃ فطر کا حکم دیا اور اسے ہر مسلمان بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام سب پر فرض قرار دیا، کہ کھانے کی اشیاء میں سے عیدالفطر پڑھنے سے پہلے ایک صاع (تقریبا اڑھائی کلو) فقراء و مساکین پر خیرات کرے تاکہ وہ بھی عید کا دن مسرت وخوشی سے گزاریں، اور طلب معاش میں دردر پر صدا کرنے سے بچیں، چند سال بعد جب فتوحات کا دروازہ کھلا اور مسلمانوں کے ہاتھ یہود کی چھوڑی ہوئی زمینیں اور باغات آئے تو حکم ہوا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا

لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ﴾ (البقرۃ:۲۶۷)

اے ایمان والو! جو اچھی عمدہ چیزیں تم کماؤ ان میں سے خرچ کرو اور جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا۔

صدقہ کی ترغیب

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ **"علی کل مسلم صدقة"** ہر مسلمان پر صدقہ ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ ہر روز مسلمان پر صدقہ ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: وہ محنت و مزدوری کر کے خود فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے انہوں نے پھر عرض کیا: کہ جس میں اس کی بھی طاقت نہ ہو وہ کیا کرے؟ فرمایا: وہ حاجت مندوں کی مدد کرے انہوں نے پھر عرض کی: کہ اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا: وہ نیکی کا کام کرے اور برائی سے بچے، یہی اس کا صدقہ ہے۔ (بخاری مع الفتح: ص ۳۰۷ ج ۳) اور ایک روایت میں ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہ اس کا صدقہ ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر صدقہ کرنے کی مجھ میں ہمت ہی نہ ہو تو کیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا: اہل و عیال کی ضرورت سے جو بچ جائے وہی صدقہ کرو، میں نے عرض کیا: اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو، آپ ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرو اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، میں نے پھر عرض کیا: اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھی اور بھلی بات کرو، میں نے پھر عرض کیا: کہ یہ بھی نہ ہو سکے تو کیا کروں؟ فرمایا: لوگوں کو شر و فساد سے بچاؤ۔ (البزار، ابن حبان، الترغیب: ص ۱۸ ج ۲)

یہ اور اس موضوع کی دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بہر آئینہ صدقہ و خیرات کا حکم دیا۔ صحابہ کرامؓ بازار جاتے، محنت و مزدوری کرتے، جو ملتا اس میں سے ضرورت سے زائد صدقہ کر دیتے، پھر جب کچھ مال و زر کی فراوانی ہونے لگی تو نصاب زکوۃ

متعین کر دیا اور اس سے زائد صدقہ کا حکم مستحب ہو گیا مگر قابل غور بات یہ ہے، استحباب یا مستحب کا اصل تو ''حب'' ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کا باعث ہے حدیث قدسی ہے کہ۔

لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل .

میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے۔

حضرت بلالؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم کیا عمل کرتے ہو کہ میں نے تمہاری جوتیوں کی آواز اپنے آگے جنت میں سنی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں جب بھی وضوء کرتا ہوں تو حسب توفیق نفل پڑھتا ہوں۔ (بخاری و مسلم: ج۲ص۲۹۲) یہ نفلی صدقہ جو مستحب ہے، اس کے بارے میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل امرئ فی ظل صدقته حتی یقضی بین الناس.

(ابن خزیمة ،ابن حبان، صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۵۲۳ و غیرھما)

قیامت کے روز ہر آدمی اپنے صدقہ کے سائے کے نیچے ہوگا تا آنکہ لوگوں کے مابین فیصلہ کر دیا جائے گا۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عقبہؓ سے اس روایت کو بیان کرنے والے ان کے شاگرد مرثد ابوالخیر روزانہ کچھ نہ کچھ ضرور صدقہ کرتے، اگر چہ روٹی کا ایک ٹکڑا ہی ہوتا، یا تھوم ہوتا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جن سات قسم کے خوش نصیبوں کے بارے میں فرمایا: کہ میدان محشر میں انہیں اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں ایک وہ بھی ہے:

رجل تصدق بصدقة فاخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه.

(بخاری: ج ۱ ص ۱۹۱ و مسلم)

جو اسطرح پوشیدہ اور مخفی طور پر صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو سکے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

آپ نے فرمایا: صدقہ گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو ختم کر

دیتا ہے۔ (ابویعلیٰ، صحیح الترغیب: ج اص ۵۱۹ وغیرہ) نیز فرمایا: جہنم کی آگ سے بچنے کا ذریعہ صدقہ ہے، صدقہ کرو اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ کے ہاں سائل آیا تو گھر میں انگور کے ایک دانہ کے بغیر اور کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے وہی سائل کو دے دیا، تو کسی نے کہا یہ آپ نے کیا دیا؟ تو انہوں نے فرمایا: " **اتعجب کم تری فی هذه الحبة من مثقال ذرة** " تم اس پر تعجب کرتے ہو، اس ایک دانے میں کتنے ذرات ہیں؟

(موطأ امام مالک: ص ۳۹۰ وغیرہ)

یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: " فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ " جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا، سچ ہے کہ اس کو بخشش کے لیے اک بہانہ چاہیے۔

یہ صدقہ گناہ کا کفارہ، میدان محشر میں سائے کا باعث ہی نہیں، دنیا میں بھی ابتلاء ومصائب سے بچنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے، چنانچہ ایک ضعیف روایت میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

با کروا بالصد قة فان البلاء لا يتخطى الصد قة.

(بیهقی، ضعیف التر غیب : ج ا ص ۲۶۴)

صدقہ سے صبح کرو، یعنی صبح سویرے صدقہ کرو مصیبت صدقہ سے تجاوز نہیں کرتی۔ صدقہ مصیبت کے سامنے ڈھال بن جاتا ہے۔

صدقہ کے بارے میں مثال بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صدقہ کرنے والے کی مثال اس قیدی شخص کی طرح ہے، جسے لوہے کی خود پہنا دی گئی ہو اس کے ہاتھ کندھوں تک باندھ دیئے گئے ہوں، جب صدقہ کرے تو گرہیں کھلنے لگیں تا آنکہ صدقہ کی بدولت وہ بالکل آزاد ہو جائے۔ (بخاری: ج ا ص ۱۹۴ او مسلم)

صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بنی اسرائیل کا ایک عابد وزاہد ساٹھ سال تک اپنے معبد خانہ میں عبادت کرتا رہا، ایک روز بارش ہوئی، زمین سرسبز وشاداب نظر آنے لگی، اس نے معبد خانہ سے باہر جھانکا تو بڑا

مسرور ہوا، اور خیال کیا کہ باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوں، چنانچہ باہر نکلا، اس کے ہاتھ میں دو روٹیاں تھیں ابھی نیچے اترا تھا کہ ایک عورت سے آمنا سامنا ہوگیا، دونوں باہم باتیں کرنے لگے، راہب نقد دل ہار بیٹھا اور اس سے برائی کا ارتکاب کرلیا، بڑا پریشان ہوا، اسی حالت میں ایک کنویں پر جا کر غسل کیا، پریشانی میں اس پر بیہوشی کا عالم طاری تھا، کہ ایک سائل نے آواز دی، اس راہب نے دونوں روٹیوں کی طرف اشارہ کیا کہ یہ لے جاؤ، کچھ دیر بعد وہ موت کے منہ میں چلا گیا اس کا حساب ہوا تو اس بدکاری کے نتیجے میں اس کی ساٹھ سالہ عبادت بے وزن ثابت ہوئی پھر سائل کو دی ہوئی دو روٹیاں اس کی حسنات میں شامل کی گئیں تو اس کی نیکیاں بڑھ گئیں اور وہ اس کے لیے بخشش کا سبب بن گئیں۔

(موارد الظمان: ص ۲۰۹، صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۵۲۹)

اس نوعیت کا ایک واقعہ امام احمدؒ نے الزھد میں ذکر کیا، کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں ایک نہایت شریر آدمی تھا، جس سے سبھی تنگ تھے، انہوں نے اس کے بارے حضرت صالحؑ سے بددعا کی اپیل کی، تو انہوں نے فرمایا: تم جاؤ تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا، وہ لکڑیاں جنگل سے لا کر بستی میں فروخت کرتا تھا، ایک روز وہ لکڑیاں لینے کے لیے نکلا، تو اپنے ساتھ کھانے کے لیے دو روٹیاں لے لیں، ایک ان میں سے صدقہ کردی اور دوسری بھوک لگنے پر کھالی، شام کو لکڑیوں کا گٹھا لیکر بستی میں آگیا، تو قوم نے حضرت صالح علیہ اسلام سے شکایت کی کہ اس کا تو کچھ بھی نہیں بگڑا، انہوں نے اس شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ آج تم نے کیا کام کیا ہے؟ تو اس نے اپنا ماجرہ کہہ سنایا، حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: لکڑیوں کا بند کھولو اس نے لکڑیوں کے گٹھے سے بند کھولا، تو دیکھتا ہے کہ ایک سیاہ رنگ کے سانپ نے لکڑی کو منہ سے پکڑ رکھا ہے حضرت صالحؑ نے فرمایا: کہ اس صدقہ کی بدولت تو اس سے بچ گیا ہے۔ (حیاۃ الحیوان: ص ۲۴ ج ۱)

علامہ دمیریؒ نے اس نوعیت کا ایک اور واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ ایک عورت اپنے بچہ کے ہمراہ جارہی تھی، اس کے ہاتھ میں دو روٹیاں تھیں، ایک سائل نے روٹی طلب کی، تو اس نے ایک روٹی اسے دے دی اس اثنا میں ایک بھیڑیا آیا اور اس کا بچہ اٹھا کر بھاگ گیا

اور وہ بھی دیوانہ وار اسکے پیچھے دوڑنے لگی تو بھڑیے نے بچے کو چھوڑ دیا اس نے سنا، "فنو دیت لقمة بلقمة" کہا جارہا ہے کہ یہ لقمہ کے بدلے لقمہ ہے۔

(حیاۃ الحیوان: ص۳۲۸ ج ۱)

حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ سے ایک آدمی نے عرض کی کہ میرے گھٹنے میں سات سال سے زخم ہے، جس سے خون نکلتا رہتا ہے، ہر قسم کا علاج کر چکا ہوں، اطباء سے اس کے بارے میں بہت مشورے کر لیے، مگر یہ مندمل نہیں ہو رہا، انہوں نے فرمایا: جاؤ کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں لوگوں کو پانی کی ضرورت ہو، وہاں کنواں لگوا دو، امید ہے اس کنویں کی بدولت تمہارا زخم خشک ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے اسی طرح کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا زخم درست کر دیا۔ امام بیہقیؒ یہی واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، کہ ہمارے شیخ امام ابو عبداللہؒ حاکم کا واقعہ بھی اس نوعیت کا ہے، ان کے چہرے پر زخم ہو گیا ہر قسم کا علاج کیا مگر شفا نہ ہوئی، اس طرح ایک سال بیت گیا، بالآخر انہوں نے امام ابو عثمانؒ صابونی سے عرض کیا کہ میرے لئے اپنی مجلس میں جمعہ کے دن دعا کریں، چنانچہ انہوں نے دعا کی، حاضرین مجلس نے اس پر آمین کہا، دوسرا جمعہ آیا تو امام صابونیؒ کی مجلس میں ایک عورت نے مکتوب بھیجا، جس میں لکھا تھا: کہ میں نے بھی امام حاکمؒ کے لیے بہت دعا کی ہے رات کو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئی ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا: کہ ابو عبداللہ حاکمؒ سے کہو کہ لوگوں کے لیے پانی پینے کا انتظام کرے۔ چنانچہ امام حاکمؒ نے گھر کے دروازے پر ایک بڑا حوض سا بنا دیا اور اسے پانی سے بھر دیا گیا۔ لوگ اس سے پانی پینے لگے۔ ابھی ایک ہفتہ نہیں گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے امام حاکمؒ کو صحت عطا فرمائی، ان کا چہرا صاف ہو گیا اور اس کے بعد وہ کئی سال تک زندہ رہے۔

(صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۵۶۸، شعب الایمان: ج۳ ص ۲۲۱، ۲۲۲)

امام ابو داؤدؒ نے مراسیل میں حضرت حسن بصریؒ سے یہ مرسل روایت ذکر کی ہے کہ:

حصنوا اموالکم بالزکٰوۃ و داووا مرضاکم بالصدقۃ واستقبلوا امواج البلاء بالدعاء والتضرع(الترغیب :ص ۵۲۰ ج ۱)

اپنے اموال کو زکاۃ کے ذریعہ محفوظ کرو، اپنے مریضوں کا صدقہ سے علاج کرو، اور مصائب کے حملوں سے دعا اور تضرع وانکساری کے ذریعے مقابلہ کرو۔ بلاشبہ صدقہ وزکاۃ سے مال پاک وصاف ہوکر محفوظ و مامون ہوجاتا ہے، صدقہ سے بیمار کو شفا حاصل ہوتی ہے، اور مصائب وآلام سے بچنے کا سب سے بڑا ہتھیار دعا ہے۔

صدقہ اور صلہ رحمی

ہر نیک عمل کی نوعیت زمان ومکان کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہے، جیسے رمضان میں نفل وانفاق کا اجر بڑھ جاتا ہے اور عمرہ کا ثواب حج کے برابر حاصل ہوتا ہے، بیت اللہ میں ایک نماز کا اجر ایک لاکھ نمازوں کے برابر ملتا ہے۔ (وقس علی ذلک)

اسی طرح صدقہ بہرنوع صدقہ ہے اور باعث برکت ہے، لیکن یہی صدقہ اگر مستحق رشتہ داروں پر کیا جائے تو یہ ڈبل اجر کا باعث ہے۔

چنانچہ حضرت سلمان بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الصدقۃ علی المسکین صدقۃ و علی ذی الرحم ثنتان صدقۃ و صلۃ.

(النسائی ، الترمذی و حسنہ ،صحیح الترغیب : ج ا ص ۵۳۳ و غیرہ)

صدقہ مسکین پر صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔

اور صحیح ابن خزیمہ میں ہے کہ قریبی رشتہ داروں پر " صدقتان "دو صدقے ہیں، گویا صدقہ اور صلہ رحمی کا ڈبل اجر ملتا ہے۔ جب آیت " لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ " نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کیا: کہ میرا سب سے محبوب مال میرا باغ ہے، اے اللہ کے رسول ﷺ میں اسے صدقہ میں دیتا ہوں، آپ اسے جہاں چاہتے ہیں خرچ کردیجئے، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، تم اسے اپنے رشتہ داروں پر بطور صدقہ تقسیم کرو۔ (مسند احمد، ابن کثیر:ص ۵۰۶ ج ۱)

مگر آج کتنے حضرات ہیں، جو مساکین پر صدقہ وخیرات تو کرتے ہیں مگر اپنے

رشتہ دار ضرورت مندوں اور محتاجوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور یوں وہ ڈبل ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حضرت حکیم بن حزامؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے آپ نے فرمایا: "**علی ذی الرحم الکاشح**" کاشح رشتہ دار پر صدقہ سب سے بہتر ہے۔ (احمد، صحیح الترغیب: ج ۱ ص ۵۳۴ وغیرہ)

کاشح، اس قطعہ رحمی کرنے والے کو کہتے ہیں جو اپنی عداوت اور دشمنی دل میں رکھے ہوئے ہو جیسا کہ عموماً رشتہ داری میں ہوتا ہے کہ وہ قطعہ رحمی کرتا اور اپنے رشتہ دار سے درپردہ عداوت رکھتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ ایسے رشتہ دار پر صدقہ کرنا بہترین صدقہ ہے، وہ اگرچہ قطع رحمی کرتا ہے، مگر تم اس کے برعکس صلہ رحمی کرو، بلکہ ضرورت مند ہو تو اس پر صدقہ بھی کرو، ایک نہ ایک دن اسے شرم آئے گی، اور وہ تمہارا گرویدہ بن جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی یہی تھی، کہ آپ اپنے دشمنوں سے بھی پیار کرتے، ان کی ہدایت کے لیے دعا کرتے تھے اور ان سے حسن سلوک کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ صفوان بن امیہ کو غزوہ حنین کے بعد جب آپ نے تین سو اونٹ مال غنیمت میں سے دیئے تو وہ بول اٹھا۔

انہ لمن ابغض الناس الی فما برح یعطینی حتی انہ لاحب الناس الی (البدایۃ: ج ۴ ص ۳۶ و ابن ھشام: ج ۳ ص ۶۸۳)

رسول اللہ ﷺ میرے نزدیک سب سے مبغوض تھے، آپ مجھے عطا فرماتے رہے تو پھر میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب آپ ہی تھے۔

گویا ٹوٹے دل کو مال کے ذریعہ ملایا اور جوڑا جا سکتا ہے۔ قطع رحمی کرنے والے رشتہ دار پر صدقہ اس تناظر میں صلہ رحمی کا باعث ہے، جس کی آپ نے ترغیب دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ محترمہ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، اگرچہ تمہارا زیور ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں: کہ یہ فرمان نبوی سن کر میں نے اپنے خاوند عبداللہؓ بن مسعود سے کہا: کہ آپ غریب آدمی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، آپ

آنحضرت ﷺ کے پاس جائیں اور آپ سے دریافت کریں کہ میں صدقہ تمہیں دوں تو کیا یہ صدقہ ادا ہو جائے گا، اگر یوں نہ ہو تو پھر میں کسی اور کو صدقہ دوں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: تم خود جا کر یہ معلوم کرلو، چنانچہ میں گھر سے نکلی تو آپ کے دروازے پر ایک انصاری عورت کو کھڑے ہوئے دیکھا، اس کا بھی یہی مسئلہ تھا جو مجھے درپیش تھا، حضرت بلالؓ ہمارے پاس آئے تو ہم نے انہیں کہا: کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ دو عورتیں یہ مسئلہ دریافت کرتی ہیں کہ اگر ہم اپنے مستحق خاوند پر اور ان چند یتیموں پر جو ہماری کفالت میں ہیں صدقہ کریں تو کیا یہ صدقہ درست ہوگا، چنانچہ حضرت بلالؓ نے جا کر اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

لھما اجران أجر القرابة و أجر الصدقة.

(بخاری: ج ۱ ص ۱۹۸ و مسلم: ج ۱ ص ۳۲۳)

انہیں دوگنا اجر ملے گا قرابت داری کا اور صدقہ کا۔☆

اس لیے مستحق رشتہ دار اور قرابت دار زیادہ حقدار اور زیادہ باعث اجر و ثواب ہیں کہ ان پر صدقہ کیا جائے، بلکہ طبرانی میں سند جید سے حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مستحق رشتہ دار اپنے رشتہ دار کے پاس جا کر سوال کرتا ہے، اور وہ اسے دینے کی بجائے بخل کا مظاہرہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ جہنم کا سانپ اس کے گلے کا طوق بنا دیں گے۔ (صحیح الترغیب: ج۱ص ۵۳۵) اس مفہوم کی ایک روایت سنن ابی داؤد، ترمذی، اور نسائی میں حضرت معاویہؓ بن حیدہ سے بھی مروی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ سوال کے باوجود رشتہ دار کو صدقہ سے محروم رکھنا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے۔

صدقات کی حکمت

انسانی زندگی کا ہر کام کسی نہ کسی سبب کی بنا پر ہے، ان اسباب ومحرکات کا گہری

☆ بیوی بچوں کی کفالت خاوند پر ہے، بیوی پر نہیں۔ اس لیے بیوی اپنے مال سے خاوند اور بچوں پر صدقہ کرسکتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ خاوند ایسا نہیں کرسکتا۔

نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ سلسلہ ایک سبب پر جا کر رک جاتا ہے، اور وہ ہے ''محبت''، کہ ہر کام کسی ''محبوب'' کی محبت میں ہو رہا ہے۔ وہ محبوب زندگی ہو، صحت و جوانی ہو، مال و دولت ہو، محل و مکان ہو، ماں باپ ہو، بیوی بچے ہوں، وطن ہو، یا قوم و برادری ہو، غرضیکہ سب کام کسی ''محبوب'' کی محبت کا نتیجہ ہیں۔ مگر ایک مومن صادق کی سب سے بڑھ کر محبت اللہ تعالیٰ سے ہے، خود اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾(البقرۃ: ۱۶۵)

جو ایماندار ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں۔

بلکہ اللہ سے محبت چھوڑ کر دوسروں کی محبت میں سرشار رہنے والوں کو خبردار فرمایا: کہ ''اگر تمہیں اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی، اپنی بیوی اپنے کنبے اور اپنے اموال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو، اور تمہارے محلات جو تمہیں پسند ہیں، اللہ اور اسکے رسول ﷺ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں، تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا تقاضا ہے کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دی جائے وہ جان ہو یا مال یا اہل و عیال ہو یا مال و منال، زکاۃ و صدقہ کا حکم بھی دراصل اس پس منظر کا نتیجہ ہے۔

نیکی کی اصل حقیقت بھی یہی ہے چنانچہ فرمایا۔

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾(ال عمران: ۹۲)

تم اس وقت تک نیکی نہیں پا سکتے جب تک وہ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہو۔

یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میری ساری جائیداد سے بیرحاء کا باغ مجھے محبوب ہے۔ میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں، اور اللہ سے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہوں، آپ اسے اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے

مطابق جہاں مناسب سمجھیں خرچ کردیں آپ نے فرمایا: بہت خوب، تم یہ مال اپنے غریب رشتہ داروں میں بانٹ دو۔ (مسند احمد، ابن کثیر: ص۵۰۶ ج۱)

صحابیات رضوان اللہ علیہم سے آپ نے بطور خاص فرمایا:

تصدقن و لو من حليكن (بخاری ومسلم: ج ا ص ۳۲۳)

کہ صدقہ کرو اگرچہ تمہارے زیور ہی سے کیوں نہ ہو۔

یہ بھی غالباً اس لیے کہ عورتوں کو جوزیور سے محبت ہوتی ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، زکاۃ وصدقات دراصل اس محبت کو کم کرنے کا ذریعہ ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے کے دل میں میری محبت کا غلبہ رہے، مال وزر کا نہیں۔

اسی طرح زکاۃ وصدقات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ غریب ونادار حضرات سے اظہار ہمدردی ہے، اوران کے حزین دل کو خوشی سے دوچار کرنے کا باعث ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

أفضل الأعمال أن تدخل على أخيك المؤمن سروراً أو تقضى عنه ديناً أو تطعمه خبزاً. (الصحيحة: ١٤٤٩)

بہترین عمل یہ ہے کہ تو اپنے مومن بھائی کو خوشی سے دوچار کردے، یا اس کا قرضہ دور کردے، یا اسے کھانا کھلائے۔ اسی طرح ایک حدیث میں یہ ہے:

أحب النا س الى الله تعالى أنفعهم للناس و أحب الأعمال اِلى اللّٰه عزوجلّ سر ور يدخله على مسلم أو يكشف عنه كربة أو يقضى عنه ديناً أو تطرد عنه جوعاً ، ولأن أمشى مع اخى فى حاجة أحب اِلى من أن أعتكف فى هذا المسجد شهراً . الحديث. (الصحيحة: ٩٠٦)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین عمل یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو خوش کردے، یا اس کی کسی پریشانی کا ازالہ کردے، یا اس کا قرضہ ادا کردے، یا اس کی بھوک کا مداوا کردے، اگر میں اپنے بھائی کی حاجت براری کے لیے جاؤں تو یہ میرے لیے میری اس

مسجد میں ایک مہینہ اعتکاف کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

مبارک باد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو مسلمان بھائی سے ہمدردی اور اس کی حاجت براری کا اہتمام کرتے ہیں، مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کی مسجد مبارک میں اعتکاف کا جذبہ بلاشبہ بڑا مبارک ہے مگر غور کیجئے کہ مسلمان کی ہمدردی کے لیے نکلنا اس میں ایک ماہ کے اعتکاف سے بہتر ہے، بلاشبہ اعتکاف بہت بڑی عبادت ہے مگر کسی بھائی کو خوش کرنا اس سے بھی بڑی عبادت اور نیکی ہے، چنانچہ صدقہ وزکاۃ مسلمان بھائی کی معاشی پریشانی کا مداوا ہے، اور اسے غربت وافلاس سے نکال کر آسودگی کی راہوں پر کھڑا کرنے کا آسان پروگرام ہے، مسلمان بھائی کی غمخواری اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صاف صاف فرمایا:

لا یؤ من احد کم حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه.

(بخاری: ج ۱ ص ۶ مسلم)

تم میں سے اس وقت تک کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لیس المؤ من الذی یشبع و جا ره جا ئع.

(الطبرانی ابو یعلیٰ صحیح التر غیب: ج ۲ ص ۶۷۲)

وہ مومن نہیں جو خود پیٹ بھر لیتا ہے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہوتا ہے۔

لاچار ونادار انسان کی غمخواری کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے کیجئے جس میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائیں گے: کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت کیوں نہیں کی، وہ کہے گا: آپ تو رب العالمین ہیں، آپ کی کیسے عیادت کرتا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کہ تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، مگر تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پالیتا۔ اے آدم کی اولاد! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، وہ کہے گا اے رب! آپ تو رب العالمین ہیں، آپ کو

کھانا کیسے دیتا؟۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تجھے خبر نہیں تھی کہ میرے بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا، اور تو نے اسے کھانا نہ دیا، اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو وہ کھانا میرے پاس پہنچتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھ کو پانی نہ پلایا، وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! آپ تو رب العالمین ہیں، میں آپ کو پانی کیسے پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا، لیکن تو نے اس کو پانی نہ پلایا، اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو مجھ کو اس کے پاس پاتا۔ (مسلم: ج۲ص ۳۱۸)

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے بندوں کی حاجات وضروریات کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا سبب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشی اس کے بندوں کو خوش کرنے میں ہے، اور ان کا شمار اللہ تعالیٰ کے بہترین بندوں میں ہوتا ہے جو لوگوں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی سے پیش آتے ہیں۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

خیر النا س أنفعهم للنا س. (الصحیحة: ۴۲۷)

بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

اس کے علاوہ ''زکوۃ'' کا لفظ ہی اس کے حکم کا ترجمان ہے، جس کے لفظی معنی ''پاکی'' اور ''صفائی'' کے ہیں۔ اسی سے ''تزکیہ'' ہے جو نبی اکرم ﷺ کے فرائض منصبیہ میں سے ایک فرض ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ. ﴾ (الجمعة: ۲)

کہ وہ نبی ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کا تزکیہ (یعنی رذائل سے پاک وصاف) کرتا ہے، اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

جسم وروح کی یہ صفائی اور پاکیزگی انسان کے لیے کلید کامیابی ہے۔ جیسا کہ سورۂ الاعلیٰ میں فرمایا: ﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴾ وہ فلاح پا گیا جو پاک وصاف ہوا۔

اس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاo وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴾ (الشمس: ۹، ۱۰)

بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک صاف کرلیا، اور نامراد ہوا جس نے اس کو گدلا کیا۔

''زکاۃ'' اور صدقات سے ہی انسان زہد کا درجہ حاصل کرتا ہے، اور مال کی حرص وطمع دل سے نکل جاتی ہے، بخل کی بیماری بھی جاتی رہتی ہے، اور ان دونوں سے پیدا ہونے والی دوسری روحانی بیماریوں اور آلودگیوں سے بھی انسان بچ نکلتا ہے۔

انفاق خیر کا اور بخل شر کا مجموعہ ہے

شیخ احمد بن جعفر الخزرمیؒ فرماتے ہیں: کہ دنیا وآخرت میں خیر کی بنیاد صدقہ اور شر کی بنیاد بخل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَأَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰىo وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰىo فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰىo وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰىo وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰىo فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴾ (اللیل: ۵تا۱۰)

پس جس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، تقوی اختیار کیا، اور اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم اسے آسان راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے، اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہی اختیار کی اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اسے تنگی کی راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے۔ گویا ایمان اور پرہیز گاری کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا نیکیوں کو آسان کر دیتا ہے، جبکہ بے پرواہی اور کفر کے ساتھ ساتھ بخل مشکلات کا باعث ہے۔ اپنی ضرورت کے باوجود اللہ کی راہ پر خرچ کرنے اور بخل سے اپنے آپ کو بچانے والوں کے لیے فلاح وفوز کی بشارت دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (الحشر: ۹)

اور وہ ان کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود فاقہ سے ہوں، اور جو شخص نفس کی بخیلی سے بچالیا گیا ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں۔

آیت کا سیاق وسباق بلا شبہ انصار صحابہ کرامؓ سے متعلق ہے جنہوں نے مہاجرین کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے تھے، مگر بخل سے بچنے کا حکم عام ہے گویا اپنی ضرورت سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھنا اور ایسے موقع پر بخیلی سے بچنا ہی فلاح وفوز کا ضامن ہے، اس کے برعکس باغ والوں کا قصہ ہے جنہوں نے فقیروں اور مسکینوں سے بچنے کے لئے رات ہی رات پھل کاٹنے کا فیصلہ کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا باغ جل کر بھسم ہوگیا، جس کی تفصیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ القلم کے پہلے رکوع میں بیان فرمائی ہے، کہ ان بدنصیبوں نے کہا:

﴿ أَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝ فَانْطَلَقُوْا وَ هُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ۝ وَ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴾

(القلم: ۲۱ تا ۲۷)

اگر تمہیں پھل توڑنا ہیں تو سویرے سویرے اپنی کھیتی کی طرف نکل چلو، پھر وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے تھے: کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آئے گا، وہ صبح ہی لپکتے ہوئے وہاں جا پہنچے جیسے وہ (پھل توڑنے کی) پوری قدرت رکھتے ہیں، پھر جب انہوں نے باغ دیکھا تو کہنے لگے یقیناً ہم راہ بھول گئے، (نہیں نہیں) بلکہ ہم محروم ہوگئے۔

یہ مسکینوں سے بچنے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کا انجام ہے، مال کو جمع کرنے اور زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: کہ ان کا یہ مال وزر جہنم کی آگ میں گرم کر کے ان کی پیشانیوں پر، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھ پر داغا جائے گا، کہ یہ مسکین کو دیکھ کر پہلے تیور چڑھاتے پھر پہلو بدلتے اور رخ بدل کر چل نکلتے تھے۔ اور سمجھتے تھے ہم نے مسکین سے پیچھا چھڑا لیا۔ (اعاذنا اللہ منہ)

جن متقین کے لئے اللہ نے جنت بنائی ان کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

(آل عمران: ۱۳۳، ۱۳۴)

اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے وہ ان متقین کے لیے تیار کی گئی ہے جو خوشحالی اور تنگدستی ہر حال میں خرچ کرتے ہیں، اور غصہ کو پی جاتے ہیں، اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

بلکہ نیکی کے دعوے داروں سے فرمایا:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾

تم ہرگز اس وقت تک نیکی نہیں پا سکتے جب تک وہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کر دو جو تمہیں محبوب ہو۔

ایمانداروں کی محبت تو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے، وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ اب اگر مال کی محبت پیش پیش ہو تو وہ ایمان ہی کیسا ہے، اور وہ نیکی بھی کیا نیکی ہے جو اس کی محبت سے خالی ہو، اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ (التوبة: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ گویا جان میرے حکم پر قربان اور مال بھی میرے فرمان پر قربان۔ اور یہی طریق، طریق جنت ہے۔

ترک جان ترک مال ترک سر
در طریق عشق اول منزل است

انفاق فی سبیل اللہ ایمان کی علامت، اللہ کی رضا کا سبب، اللہ تعالیٰ کی طرف سے

مزید عنایت کا وعدہ اور جنت کے حصول کا باعث ہے، اس کے برعکس اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے گریز کرنا یا مجبوراً خرچ کرنا نفاق کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنفِقُونَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴾ (التوبۃ: ۵۴)

منافق اگر نماز کو آتے ہیں تو ڈھیلے ڈھالے، اور اگر کچھ خرچ کرتے ہیں تو مجبوراً ہی خرچ کرتے ہیں۔

اور خرچ نہ کرنے والوں ہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: زیادہ مال و دولت رکھنے والے برباد ہو گئے، رب کعبہ کی قسم، وہی خسارا پانے والے ہیں، الا یہ کہ وہ یوں اور یوں (یعنی شب و روز) ہر سو خرچ کریں۔ (احمد، ابن ماجہ، صحیح الترغیب: ج ا ص ۲۸۱، وغیرہ) اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دیا ہوا مال اپنی رضا کے لیے خرچ کرنے کی توفیق بخشے اور حرص و بخل سے بچائے آمین۔

۞

﴿ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ٥ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ٥ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾

(المؤمنون: ۵تا۷)

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے، جو ان کے قبضہ میں ہیں ان کے معاملے میں ان پر کوئی ملامت نہیں، البتہ ان کے سوا جو کوئی اور ذریعہ چاہے تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔

مومن شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے

فلاح وفوز پانے والوں کی یہ چوتھی علامت ہے کہ "وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سورۃ النور میں مومن مردوں اور عورتوں سے فرمایا:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ٥ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ﴾ (النور: ۳۰، ۳۱)

اے نبی! مومن مردوں سے کہیے: کہ وہ اپنی نظر نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے، اور وہ جو کچھ کرتے ہیں، اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور مومن عورتوں سے کہیے: کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

بلاشبہ جس طرح بھوک پیاس انسانی فطری تقاضا ہے اسی طرح جنسی لذت بھی ایک فطری تقاضا ہے، جس طرح بھوک ختم کرنے اور پیاس بجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد نہیں چھوڑا، حلال وحرام سے خبردار کیا، اسی طرح جنسی معاملے میں بھی آزاد نہیں چھوڑا، اس کے لیے بس دو ہی ذریعے ہیں ایک

بیوی اور دوسری کنیز، باقی سب حد سے تجاوز ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

نظر کی حفاظت

اللہ کا سچا نبی مناظر نہیں حکیم ہوتا ہے، وہ بڑی دانائی اور حکمت عملی سے برائی کا خاتمہ چاہتا ہے، اور اس کے اسباب و ذرائع کو بھی ختم کرنے کی تاکید کرتا ہے، کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری، اسی سے سد ذرائع کا اصول شریعت کا ایک معروف اصول ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''فواحش'' سے ہی نہیں بلکہ ان کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ﴾ (الانعام: ۱۵۱)

کہ فواحش و بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ یہ کھلی ہو یا چھپی ہوئی۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حوا علیہما السلام سے فرمایا:

﴿ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾ (البقرة: ۳۵)

کہ اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔

اسی طرح شرک و بدعت اور معصیتوں سے ہی نہیں بلکہ ان کے اسباب و ذرائع سے بھی روک دیا۔ شرک سے منع فرمایا تو اوائل میں قبروں کی زیارت سے منع فرمایا، اکثر و بیشتر عورتیں اس سلسلے میں کمزور اور بے صبر ثابت ہوئی ہیں، اس لیے قبروں پر ان کی باکثرت حاضری سے بہر آئینہ روک دیا گیا۔ طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھنے اور سُترہ کے بالکل محاذ میں کھڑا ہونے سے بھی منع فرمایا، کہ اس سے مشرکین سے مشابہت ہوتی ہے۔ اسی طرح قبروں کو پختہ کرنا ان کے قریب مساجد بنانا ان پر کتبہ لگانا ان کو منور کرنا انہیں سجدہ گاہ بنانے سے منع کرنا سب شرک کا سد باب ہے۔

مشرکین کے معبودوں کو گالی دینے سے روک دیا گیا، کہ یہ عداوت میں اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اسی طرح کسی کے والدین کو گالی دینے سے روکا، کہ یہ الٹا اپنے والدین کے بارے میں گالی سننے کا سبب بن جاتا ہے۔

شراب خانہ خراب سے ہی نہیں بلکہ اوائل میں ان برتنوں کے عام استعمال سے روک دیا جن میں شراب تیار ہوتی تھی، اور مزید یہ کہ اس کا کثیر استعمال ہی نہیں قلیل استعمال

بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح کثیر حرام ہے۔ بدعت کو چھوڑنے کا حکم ہی نہیں علمائے کرام نے فرمایا کہ:

ما تردد بین السنة و البدعة یترک (شامی ج ۲ ص ۴۴۱)

کہ جو معاملہ سنت و بدعت کے مابین متردد ہے اسے بھی چھوڑ دیا جائے

یہاں بھی شرمگاہوں کی حفاظت سے پہلے "یَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ" فرمایا کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو، کیونکہ نظر بازی ہی زنا کا پیش خیمہ بنتی ہے، اسی طرح اجنبی عورت سے تنہائی میں بیٹھنے، عورت کا اکیلے سفر کرنے، خوشبو لگا کر اور زیب و زینت اختیار کر کے گھر سے نکلنے، مٹک مٹک کر چلنے، لیپا پوتی سے بات کرنے سے بھی منع فرمایا کہ عورت کی عزت و عصمت محفوظ رہے۔ غیر محرم کو دیکھنا تو کجا امام العلاءؒ بن زیاد بصری جنکا شمار بڑے عابد و زاہد تابعین میں ہوتا ہے، فرمایا کرتے تھے:

لا تتبع بصرک رداء المرأة فإنّ النظر یجعل شهوة فی القلب

(الزهد لعبد الله بن احمد : ص ۲۵۵، الحلیة: ص ۲۴۴ ج ۲ و غیره)

اپنی نگاہ عورت کی چادر پر مت ڈالو، کیونکہ یہ دیکھنا بھی دل میں شہوت پیدا کرتا ہے۔

امام عطاءؒ بن ابی رباح فرماتے ہیں: کہ وہ کنیزیں جو مکہ مکرمہ میں فروخت ہونے کے لیے لائی جاتی ہیں ان کو خرید نے کا ارادہ نہ ہو تو انہیں دیکھنا بھی حرام ہے۔

(بخاری مع الفتح: ص ۷ ج ۱۱)

اسی طرح امام زہریؒ نے فرمایا: کہ کم سن بچوں کو دیکھنے کی خواہش و تڑپ ہو تو انہیں دیکھنے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ (ایضاً) اسی طرح غیر محرم عورت فوت ہو جائے اس کو دیکھنا بھی اسی طرح ناجائز ہے جیسے زندہ کو دیکھنا ناجائز ہے۔ بلکہ عورت کو دفن کرتے ہوئے قبر پر پردہ کرنے کا حکم ہے۔ غور فرمایئے ستر عورت کا کتنا لحاظ و پاس ہے۔

حفاظت شرمگاہ کی اہمیت

عباد الرحمان کی علامات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ﴾

(الفرقان :٦٨)

وہ نہ ہی اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں، اور نہ زنا کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (الأحزاب:٣٥)

اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور بکثرت یاد کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

بدکاری سے بچنا اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا ایسا اہم مسئلہ ہے، کہ آنحضرت ﷺ اقرار توحید کے ساتھ ساتھ جن امور کا عہد لیتے، ان میں ایک یہی شرمگاہوں کی حفاظت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ ﴾ (الممتحنة:١٢)

اے نبی! جب آپ کے پاس مومنہ عورتیں بیعت کرنے آئیں (تو ان سے یہ بیعت لیں) کہ وہ اللہ کیساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی، نہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔

مسلمان ہونے کے لیے جو عورتیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں آپ اس آیت کی تلاوت فرماتے، جو عورتیں ان باتوں کو تسلیم کرتیں آپ فرما دیتے: بیعت ہوگئی۔ آپ بیعت لیتے تو کسی عورت سے ہاتھ نہ ملاتے کبھی عورتوں سے عہد لیکر فرماتے تمہاری بیعت ہوگئی۔ کبھی ایک چادر کا سرا آپ پکڑ لیتے اور دوسرا بیعت کرنے والی عورت پکڑ کر عہد کرتی، اور کبھی آپ پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالتے اور پھر بیعت کرنے والی عورت دوسری جانب سے اس میں ہاتھ ڈالتی، ان کے ہاتھ کو چھونے کا کہیں دور دور تصور نہیں۔

حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہؓ فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہونے کے لیے حاضر ہوئی تو آپ نے اس سے بھی یہ عہد لیا تو اس نے کہا:

أتزنی امراء ۃ حرّ ۃ کیا آزاد عورت بھی زنا کا ارتکاب کرتی ہے؟

آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں آزاد عورتوں میں بدکاری کا تصور نہ تھا، یہ جو کچھ بھی تھا بازاری عورتوں اور لونڈیوں سے تھا۔

حضرت عبادہؓ بن صامت کا شمار سابقین اولین انصار میں ہوتا ہے بیعت عقبہ ثانیہ میں آپ شریک ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا:

بایعونی علی ان لا تشرکوا باللّٰہ شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم. (بخاری: ج ۱ ص ۷ وغیرہ)

میرے ساتھ اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے، نہ چوری کرو گے، نہ زنا کرو گے، اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے۔

ہرقل شاہ روم کے پاس جب آپ ﷺ کا مکتوب مبارک پہنچا، تو اس نے ابوسفیان سے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، پوچھا "**ما ذا یأمرکم ؟**" کہ یہ صاحب ﷺ تمہیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو انہوں نے باوجود اس کے کہ آپ سے جنگوں میں شریک ہی نہیں ہوئے بلکہ ان میں سپہ سالار بھی رہے کہا:

یقول: أعبدوا اللّٰہ وحدہ ولا تشرکوا بہ شیئًا و اترکوا ما یقول آباؤکم و یأمرنا بالصلٰوۃ والصدق الصدقۃ و العفاف و الصلۃ.

(بخاری: ج ۱ ص ۴: ج ۲ ص ۸۸۴)

وہ ہمیں فرماتے ہیں: کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، جو کچھ تمہارے آباؤ اجداد کہتے رہے ہیں اس سے کنارہ کشی اختیار کرو، وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، صدقہ و خیرات کرنے، پاکدامن رہنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

گویا شرمگاہ کی حفاظت کا حکم اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے، قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان رکھنے والا جیل جانا قبول کر لیتا ہے، بدکاری کا

ارتکاب نہیں کرسکتا۔سیدنا یوسفؑ کن امتحانات سے گزرے،سورۂ یوسف میں اسکی تفصیل موجود ہے، ایک شاہی خاندان کی عورت پر کیا موقوف، وہاں تو شہر کی سب بیگمات انہیں اپنے دامن تزویر میں پھنسانا چاہتی تھیں،عزیز مصر کی بیوی نے تو بالآخر بھری مجلس میں کہہ ہی دیا کہ میری بات نہ مانی تو ذلیل ورسوا کر کے قید کروادوں گی،مگر حضرت یوسفؑ اپنے رب العزت سے عرض گزار ہیں:

﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجَاهِلِيْنَ﴾(یوسف: ۳۳)

اے میرے رب جس چیز کی طرف مجھے بلا رہی ہیں۔اس سے تو مجھے قید ہی زیادہ پسند ہے،اگر آپ نے ان کے مکر وفریب کو دور نہ رکھا تو میں انکی طرف جھک جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

بدکاری سے بچنے کے حوالے سے آنحضرت ﷺ نے بھی ایک واقعہ ذکر فرمایا: جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یوں بیان فرمایا: کہ میں نے ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ آنحضرت سے سنا، کہ بنی اسرائیل میں ایک کفل نامی شخص تھا، جو گناہوں سے اجتناب نہیں کرتا تھا، ایک روز اس کے پاس ایک عورت آئی، تو اس نے اسے ساٹھ دینار کے عوض بدکاری کی دعوت دی، چنانچہ اس عمل کے لیے جب وہ عورت پر بیٹھا تو وہ عورت کانپ گئی اور رونے لگی کفل نے رونے کی وجہ پوچھی،تو اس نے کہا میں نے یہ برا کام کبھی نہیں کیا،آج غربت وافلاس نے مجبور کیا ہے تو تمہارے پاس چلی آئی ہوں، کفل نے کہا،تو اللہ سے ڈرتی ہے تو میں زیادہ حقدار ہوں کہ اللہ سے ڈروں، کیونکہ میں پہلے سے ایک عاصی انسان ہوں، اٹھو چلی جاؤ،اور یہ ساٹھ دینار بھی لیتی جاؤ،اللہ کی قسم آج کے بعد میں کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا،اتفاق کی بات کہ اس رات پیغام اجل آیا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا، صبح لوگوں نے دیکھا کہ اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا"اِنّ اللّٰہَ قد غفر للکفل" کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کو معاف کر دیا۔(ترمذی و حسنہ : ج۳ص۳۱۶ ،ابن حبان ، الحاکم و صححہ) ۔عزت کی پاسداری اور آئندہ کے لیے گناہوں سے بچنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ

نے اس کے پہلے گناہ بھی معاف کردیئے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں ان تین ساتھیوں کا طویل قصہ بیان ہوا ہے جنہوں نے شدید طوفان سے بچنے کے لیے ایک غار میں پناہ لی، اتفاقاً غار کے منہ پر ایک بھاری پتھر آپڑا اور غار کا منہ بند ہوگیا، وہ مزید پریشان ہوگئے، بالآخر انہوں نے کہا کہ ہر ایک اپنے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے شاید یوں جان بخشی ہو جائے، ان میں سے ایک نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی الٰہا! میری ایک چچا کی بیٹی تھی جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی، قحط پڑا تو فقر و مسکنت کی ماری میرے پاس آئی، میں نے اسے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ میری خواہش پوری کرے، اس نے یہ بات تسلیم کرلی، جب میں اس کے قریب ہوا اور اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو وہ کہنے لگی: اللہ کے بندے! اللہ سے ڈرو، خلاف شرع اس مہر کو نہ کھولو میں یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا، اے اللہ! اگر تیرے علم میں ہے کہ میں اس گناہ سے تیری رضا کے لیے باز رہا تو اس پتھر کو دور کردیجئے، چنانچہ وہ پتھر سرکا اور غار کا منہ کھل گیا (بخاری: ج۲ص۷۷۳ومسلم وغیرۃ)

جس سے بدکاری سے بچنے اور شرمگاہ کی حفاظت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یا شباب قریش ! احفظو فروجکم لا تزنوا ألا من حفظ فرجه فله الجنة. (الحاکم: ص ۳۵۸ ج۴ و صححه وشعب الایمان: ص ۳۵۳ ج۴، صحیح الترغیب: ج ۲ ص ۲۱۸)

اے قریش کے نوجوانو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، زنا مت کرو، جو شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے اس کے لیے جنت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا صلت المــرأة خمسها و حصنت فرجها و أطاعت بعلها دخلت من أیّ أبواب الجنة شاءت۔

(ابن حبان، حسن صحیح آداب الزفاف: ص ۲۱۴)

جب عورت پانچ نمازیں پڑھے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے جنت کے جس دروازے سے چاہے گی داخل ہوگی۔

حضرت عبادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اضمنوا لی ستاً من أنفسکم أضمن لکم الجنّة اصدقوا اذا حدثتم و أوفوا اِذا وعدتم وأدّوا اِذا ائتمنتم ، و احفظوا فروجکم ، وغضّوا أبصارکم و کفّوا أیدیکم.

(ابن حبان و الحاکم و صححه و له شواهد ، الصحیحة : ص ۱۴۷۰)

مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، جب بات کرو تو سچ کہو، جب وعدہ کرو تو پورا کرو، جب امین بنائے جاؤ تو امانت کو ادا کرو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اپنی آنکھوں کو نیچا رکھو اور اپنے ہاتھوں کو (کسی کو تکلیف دینے سے) روکے رکھو۔

حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من یضمن لی ما بین لحییه وما بین رجلیه أضمن له الجنة.

(بخاری: ج ۲ ص ۲۵۸)

جو مجھے اس کی جو دو جبڑوں کے مابین (زبان) اور جو دو ٹانگوں کے درمیان (شرمگاہ) کی ضمانت دیتا ہے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

میدان محشر میں جہاں کوئی سایہ دار چیز میسر نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو اپنے عرش عظیم کا سایہ نصیب کرے گا، ان میں ایک شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں رکھیں گے۔ (۱) امام عادل۔ (۲) وہ نوجوان جس نے اپنے جوانی عبادت میں نبھائی۔ (۳) وہ آدمی جس کا دل مسجد سے معلق رہا۔ (۴) وہ دو آدمی جو آپس میں اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں، اسی بنیاد پر وہ ملتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں۔ (۵) وہ انسان جسے حسب و جمال والی عورت برائی

کی دعوت دے مگر وہ کہے، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (۶) وہ آدمی جو ایسے مخفی طور پر صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہیں ہوتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ (۷) وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے روتا ہے اور آنسو بہاتا ہے۔ (بخاری: ج ۱ ص ۱۹۱، مسلم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل و کردار

صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا اطاعت گزار تھے، شراب خانہ خراب کی پابندی پر جس طرح انہوں نے عمل کیا تاریخ عالم میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی، شرمگاہ کی حفاظت میں اور بدکاری سے بچنے میں بھی ان کے واقعات ہمارے لیے نمونہ ہیں۔ حضرت مرثد بن ابی مرثد غنویؓ مشہور بدری صحابی ہیں، مکہ مکرمہ میں جو حضرات دامن اسلام سے وابستہ ہوتے، کفار مکہ انہیں قید و بند کی سزائیں مبتلا کر دیتے، حضرت مرثدؓ انہیں کفار کی قید سے نکالنے کی کوشش کرتے، اس مشن کے لیے وہ ایک دفعہ مکہ مکرمہ گئے، اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی مکہ میں ایک ''عناق'' نامی عورت سے شناسائی تھی، وہ ایک فاحشہ عورت تھی اور حضرت مرثدؓ سے محبت کرتی تھی، چنانچہ وہ مکہ پہنچے، چاندنی رات تھی، دیوار کی اوٹ میں جا رہے تھے کہ عناق نے انہیں پہچان لیا اور کہنے لگی، مرثد ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں مرثد ہوں، اس نے کہا: مرحبا خوش آمدید، اور رات اپنے ساتھ گزارنے کی دعوت دی، حضرت مرثدؓ نے فرمایا: ''یا عناق حرّم اللّٰہ الزنا'' عناق! اللہ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ جب انہوں نے بات نہ مانی تو عناق نے شور مچایا اور بلند آواز سے کہا: محلّہ والو! ہوشیار ہو جاؤ، یہ شخص تمہارے قیدیوں کو اٹھانے آیا ہے، حضرت مرثدؓ وہاں سے بھاگ نکلے آٹھ آدمیوں نے پیچھا کیا مگر وہ بھاگ کر غار میں چھپ گئے، وہ غار تک پہنچے، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں گویا اندھا کر دیا، انہیں دیکھ نہ سکے، چنانچہ وہ واپس لوٹ گئے تو حضرت مرثدؓ غار سے نکل کر پھر وہاں پہنچ گئے اور قیدی کو قید سے نکال کر مدینہ طیبہ لے آئے۔

(ترمذی: ج ۴ ص ۱۵۳ و حسنہ ابوداود)

اسلام کی تعلیمات کا اثر تھا کہ آزاد عورت کیا لونڈیاں بھی بدکاری سے انکار کرتی تھیں، چنانچہ مسیکۃ جو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی لونڈی تھی اور بعض نے اس کا نام

معاذۃؓ ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ کا بظاہر رجحان اس طرف ہے اس کا نام معاذۃؓ ہے (الاصابۃ ص ۱۸۸ ج ۸) عبداللہ بن ابی اسے بدکاری پر مجبور کرتا اور مارتا مگر وہ اس سے انکار کر دیتی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر شکایت کی کہ میرا آقا مجھے بدکاری پر مجبور کرتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ: وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ (النور: ۳۳) اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔

(صحیح مسلم وغیرہ الاصابہ تفسیر ابن کثیر: ص ۳۸۵ ج ۳)

اس معصیت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے اگر کسی پر اس کا اتہام لگ جاتا ہے، تو وہ اسے برداشت نہ کرسکتی، حضرت عائشہؓ کے کانوں میں جب واقعہ افک کی بھنک پڑی تو ان کے ہوش اڑ گئے، بے ہوش ہوکر گر پڑیں فکروغم سے بخار ہوگیا، اور انتہائی کمزور ہوگئیں، بشری کمزوری کی بنا پر اگر کسی سے کوئی اکادکا واقعہ ہوا تو اپنے ایمان ہی کی بدولت اسے چھپانے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس گناہ سے پاک صاف ہونے کی استدعا کرتا اور رجم کی سزا برداشت کر کے جنت کو سدھارتا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

بدکاری سے بچنے کا طریقہ

سورۃ النور کی آیت نمبر 30 کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرمگاہ کی حفاظت سے پہلے (غض البصر) نظر کو نیچا رکھنے کا حکم ہے، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ بدکاری سے بچنے اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے کا اولین ذریعہ نظر کی حفاظت ہے، کہ وہ بہرنوع غیرمحرم کی طرف نہیں اٹھنی چاہیے، چہ جائیکہ اس کو ٹکٹکی لگا کر دیکھا جائے، اور اپنی نگاہوں کو اس پر مرکوز کر دیا جائے، اسی طرح سورۂ غافر میں ہے کہ:

﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾. (غافر: ۱۹)

کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور جو کچھ تم اپنے سینوں میں چھپاتے ہو اسے جانتے ہیں۔

اس میں بتلایا گیا ہے کہ اقوال وافعال کے کیا معنی۔ اللہ تعالیٰ تو تمام احوال و

کیفیات، جذبات وواردات قلب سے واقف ہے، انسان کی نظر بازی کو کوئی اور دیکھے نہ دیکھے اللہ تعالیٰ تو بہر حال دیکھتے ہیں حضرت عبداللہؓ بن عباس فرماتے ہیں، کہ آنکھ کی خیانت جاننے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی خبر ہے کہ غیر محرم کو دیکھنے میں آنکھ خیانت کا ارتکاب کرے گی یا نہیں۔اور "وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ جانتے ہیں کہ اگر تجھے موقع مل جائے تو اس سے بدکاری کرے گا یا نہیں؟ اسی طرح ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ: اس سے مراد وہ آدمی ہے جو کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہے، اس گھر میں ایک خوبصورت عورت ہے، یا وہ ایسے ساتھیوں کے ہمراہ چلا جا رہا ہے جن کے ساتھ ایک خوبصورت عورت ہوتی ہے، ان کی غفلت میں تو اس کی طرف دیکھتا ہے، مگر جب وہ اس کی حرکت پر متنبہ ہوتے ہیں تو اپنی نظر نیچے کر لیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ حرکت تو کجا اس کے بارے میں یہ بھی علم ہے کہ وہ دل سے چاہتا ہے کہ اس کی شرمگاہ کو دیکھوں اور اپنی خواہش پوری کروں۔(ابن کثیر: ص ۷۹ ج ۴)

یہ آیت ہر مسلمان کو حرز جان بنا لینی چاہیے، جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ ایمان راسخ ہو جائے گا تو وہ اللہ کے فضل وکرم سے بدکاری سے بھی بچ جائے گا، زنا سے بچنے کی ایک وہ حکمت عملی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بڑے سلیقے سے خبردار کیا، چنانچہ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک نوجوان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! میں زنا نہیں چھوڑ سکتا، مجھے آپ اس کی اجازت دے دیں، صحابہ کرامؓ نے اس کے اس سوال پر نفرت کا اظہار کیا، مگر آپ ﷺ نے اس نوجوان سے فرمایا: قریب آ جاؤ، وہ قریب آیا، تو فرمایا: بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا، تو آپ نے بڑے درد بھرے انداز میں فرمایا: کیا تم یہ کام اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی اس برائی کو اپنی ماں کے لیے پسند نہیں کرتا، بھلا تم زنا اپنی بیٹی کے لیے اچھا جانتے ہو؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہرگز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اس کو اپنی بیٹیوں کے لیے اچھا نہیں سمجھتے، بھلا اس برے کام کو تم اپنی بہن کے حق میں گوارا کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی

نہیں، آپ نے فرمایا: کوئی بھی اپنی بہن کے حق میں یہ برداشت نہیں کرتا: اچھا یہ بتلاؤ اس کو تم اپنی پھوپھی کے لئے پسند کروگے؟ اس نے عرض کیا: جی ہرگز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص بھی اسے اپنے پھوپھی کے لیے پسند نہیں کرتا، اچھا یہ بتلاؤ، تم زنا کو اپنی خالہ کے لیے برداشت کروگے؟ وہ بولا نہیں یارسول اللہ، آپ نے فرمایا: کوئی بھی اس کو اپنی خالہ کے بارے میں برداشت نہیں کرسکتا۔ اس گفتگو سے سائل کو یہ باور کرانا مقصود تھا، کہ جب تم اپنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ سے زنا کو برداشت نہیں کرسکتے تو تم جس کسی سے اس بدکاری کا ارتکاب کروگے وہ بہر نوع کسی نہ کسی کی ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی یا خالہ ہی ہوگی، جب یہ بات اس کے ذہن نشین ہوگئی تو آپ نے اپنا دست شفقت اس کے سر پر رکھا اور فرمایا:

اللّٰھم اغفر ذنبه و طهّر قلبه و احصن فرجه۔

الٰہا! اس کا گناہ معاف فرمادے، اس کا دل گناہوں سے پاک صاف کردے، اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد کبھی بھی زنا کا تصور اس کے حاشیہ خیال میں نہیں آیا۔ (مسند احمد: ج ۵ ص ۲۵۶، ۲۵۷، تفسیر ابن کثیر: ۳۸ ج ۳)

حضرت مولانا قاضی منصور پوریؒ کا بیان

حضرت سیدنا یوسفؑ کو جب عزیز مصر کی بیوی اپنے محل میں لے گئی، سب دروازے بند کردیئے اور حضرت یوسفؑ کو دعوت گناہ دی تو انہوں نے رب کو یاد کرتے ہوئے جوابات فرمائی، وہ یہ تھی۔ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ظلم کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔

حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ رقمطراز ہیں:

۱۔ یوسف صدیقؑ نے اس جگہ زانی کو ظالم بتلایا ہے، وجوہات پر غور کرو، زنا ظلم برخود بھی ہے زانی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ زنا سے اخلاق اور روپیہ اور خون تباہ وخراب اور فاسد ہوجاتے ہیں، پیدا ہونے والی نسل کا ذخیرہ ضائع کیا جاتا ہے۔

۲۔ زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے۔ کیونکہ جو شخص زنا کرتا ہے، وہ اپنے خاندان کے لیے ایک نمونہ قائم کرتا ہے۔ وہ اپنے گھر تک ایک سڑک بناتا ہے جس سڑک سے زنا باآسانی اس گھر میں داخل ہو جائے گا، تجربۃً اور مشاہدۃً ایسی ہزاروں مثالیں ناظرین کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

۳۔ زنا زانیہ پر بھی ظلم ہے کیونکہ جب عورت ایک بار زنا میں آلودہ ہو جاتی ہے تو اس کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں، پھر وہ وقاحت و بے حیائی میں روز افزوں بڑھتی جاتی ہے۔

۴۔ زنا عورت کے اقرباء پر بھی ظلم ہے، کیونکہ سب کو اس کی ندامت دامن گیر ہوتی ہے، جس کی کوفت اور صدمہ ان کے دل پر ہمیشہ رہتا ہے۔

۵۔ زنا، عورت کے شوہر پر بھی ظلم ہے، بننے والے شوہر پر اس لیے ظلم ہے کہ جس اعتماد پر اس نے شادی کی، اس میں دھوکا دیا گیا، اور شوہر موجودہ پر اس لیے ظلم ہے کہ اس کے واحد حق میں مداخلت کی گئی، اس کی رسوائی کی گئی، اس کے مال کا وارث ایسے مولود کو بنایا گیا جسے استحقاق وراثت حاصل نہ تھا۔

۶۔ زنا، پیدا ہونے والے بچہ پر بھی ظلم ہے، کیونکہ یا تو ایسے بچے کو ضائع کیا جاتا ہے، یا اس کی تربیت صحیح نہیں ہوتی، اور یہ لازمی ہے کہ اس کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے ننگ و عار کی زندگی بنایا جاتا ہے۔

۷۔ زنا، ملک و قوم پر بھی ظلم ہے، نسلیں محفوظ نہیں رہتیں وہ اوصاف و خصائل جو خصوصیات خاندان ہوتے ہیں، نیز صحت عامہ تباہ ہوتی ہے، اوصاف قومی گم ہو جاتے ہیں، زنا کے جراثیم گنہگار والدین اور ان کی آئندہ اولاد میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، اور ان سب امور کا دائمی نقصان قوم کو اور پھر ملک کو اٹھانا پڑتا ہے، غور کرو کہ ایک لفظ ظالم کے تحت میں حضرت یوسفؑ نے زنا کی ان تمام برائیوں کو کیسی خوبی سے بیان فرمادیا ہے۔ (الجمال الکمال: ص ۱۰۰ تا ۱۰۲)

حضرت قاضیؒ صاحب نے ظالم کی تفصیل میں جو کچھ رقم فرمایا ہے، اس میں

زنا کی ہولناکی اور زانی کی ہدایت وراہنمائی کے لیے عبرت کا وافر سامان ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ زنا، باپ کی حقیقی اولاد پر بھی ظلم ہے، کیونکہ زنا کے نتیجہ میں ولدالحرام بھی اس کا وارث قرار پاتا ہے، جیسے حقیقی اولاد ہوتی ہے، گویا اولاد کو جس قدر وراثت ملنی تھی اس میں یہ ولدالحرام بھی شریک بن جاتا ہے جو اس اولاد پر سراسر ظلم ہے اسی طرح حضرت قاضی صاحبؒ نے جو یہ فرمایا کہ زانی زنا سے اپنے گھر میں سڑک بناتا ہے تو بلا ریب وہ گھر بدکاری کا اڈا بنتا ہے اور پورے محلے بلکہ شہر میں بدنامی کا باعث بنتا ہے۔

عمل مکافات سے بچو

علامہ ابن حجرؒ مکی نے زنا کی ہولناکیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''اِنہ یؤخذ بمثلہ من ذریة الزانی،، کہ عمل مکافات کے مطابق زانی کی اولاد سے وہی سلوک ہوتا ہے، جو وہ کسی دوسرے سے کرتا ہے۔ فرماتے ہیں: کہ جب یہ بات ایک بادشاہ سے کہی گئی تو اس نے تجربۃً اپنی بیٹی جو نہایت خوبصورت تھی کے ہمراہ ایک خادمہ کو بھیجا کہ وہ اس کے ساتھ بازار میں سیر سپاٹے کے لیے جائے، اگر کوئی میری بیٹی سے تعرض کرے تو وہ اسے منع نہ کرے، چنانچہ وہ بادشاہ کی بیٹی کو بازار گھمانے کے لیے لے گئی، لوگوں نے بادشاہ کی بیٹی کو دیکھا تو احتراماً انہوں نے اپنی نگاہوں کو نیچا کرلیا، تا آنکہ وہ گھوم پھر کر جب واپس اپنے محل میں آنے لگی تو ایک شخص آیا اور بادشاہ کی بیٹی کا بوسا لیکر بھاگ گیا، چنانچہ جب یہ ماجرا بادشاہ کو سنایا گیا تو وہ سجدہ شکر بجالایا اور کہا:

الحمد للّٰہ ما وقع منّی فی عمری قط اِلّا قبلة لامرأة وقد قصصت بھا.

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں عمر بھر میں نے سوائے ایک عورت کا بوسہ لینے کے کوئی حرکت نہیں کی اور اس نوجوان نے جو میری بیٹی کا بوسہ لیا، میرے اس بوسے کے بدلہ میں ہے۔ (الزواجر: ص ۲۲۶ ج ۲)

لہٰذا اس بری حرکت سے اس لیے بھی اجتناب کرنا چاہیے کہ مبادا میری اولاد نہ

دھرلی جائے۔(اعاذنا الله منه)

امام عبید بن عمیرؒ کا عبرتناک واقعہ

حضرت امام عبیدؒ بن عمیر کا شمار عظیم الشان تابعین کرام میں ہوتا ہے، مکہ مکرمہ کے قاضی تھے، امام احمد بن عبداللہؒ العجلی نے اپنی معروف کتاب ''تاریخ الثقات'' میں ذکر کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک نہایت خوبصورت عورت تھی، ایک روز اس نے اپنے خاوند سے کہا: کیا خیال ہے کہ ہے کوئی جو اس چہرے کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا نہ ہو؟ تو اس نے کہا: ہاں، عبید بن عمیرؒ ہیں، جو تجھے دیکھ کر فتنے میں مبتلا نہیں ہوں گے، عورت نے کہا آپ مجھے اس تجربہ کی اجازت دیں (کہ میں عبید بن عمیرؒ کو آزماؤں) پھر دیکھوں گی وہ بچتے ہیں یا نہیں، خاوند نے اجازت دے دی، چنانچہ وہ حضرت عبیدؒ کے پاس ایک روز مسئلے کی وضاحت کا بہانہ بنا کر حاضر ہوئی، المسجد الحرام کے ایک کونہ میں دونوں باہم علیحدہ ہوئے تو اس عورت نے چاند کے ٹکڑے کی مانند اپنا چہرہ ظاہر کیا، حضرت عبید بن عمیرؒ نے اس عورت سے کہا: اے اللہ کی بندی، یہ کیا؟ اس نے کہا میں آپ کے بارے میں فتنہ میں مبتلا ہوں، میرے بارے میں آپ غور وفکر کریں، حضرت عبیدؒ نے فرمایا: میرا تجھ سے ایک سوال ہے، اگر تم نے صحیح جواب دیا تو میں تیرے بارے میں سوچوں گا، عورت نے کہا: آپ جو پوچھیں گے صحیح جواب دوں گی، انہوں نے فرمایا: کیا خیال ہے اگر ملک الموت تیری روح قبض کرنے کے لئے آئے، کیا تم پسند کروگی کہ میں تمہاری حاجت پوری کروں؟ اس نے کہا بخدا ہرگز نہیں، انہوں نے فرمایا: تم نے سچ کہا، اچھا اب بتلاؤ جب تجھے قبر میں سوال و جواب کے لیے اٹھایا جائے گا اس حالت میں تو پسند کرے گی کہ میں تیری حاجت پوری کروں؟ کہنے لگی: ہائے اللہ بالکل نہیں، انہوں نے فرمایا: تو نے سچ کہا، اب بتلاؤ جب نامہ اعمال دیا جائے گا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ تمہیں دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں میں، کیا تو پسند کرے گی کہ اس وقت میں تیری ضرورت پوری کروں؟ اس نے کہا: ہائے اللہ بالکل نہیں، تو فرمایا: کہ تو نے سچ کہا، اسی طرح انہوں نے یہ سوال پل صراط پر سے گزرتے وقت، وزن اعمال کے وقت اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے استفسار کے وقت دہرایا، کیا ان لمحات میں تو پسند کرے گی کہ میں تیری حاجت پوری کروں؟ وہ بار بار کہتی رہی: **"اللّٰهم لا"** ہائے اللہ بالکل نہیں، بالآخر

انہوں نے فرمایا:

اتق اللّٰہ یا أمة اللّٰہ فقد انعم اللّٰہ علیک و احسن اِلیک

اے اللہ کی بندی! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ نے تم پر کس قدر انعام کیا ہے، اور کتنے احسان سے تمہیں نوازا ہے،

یہ سن کر وہ گھر لوٹ گئی، خاوند نے سوال کیا، کہ کیسے گزری؟ بولی، ہم تو بے کار انسان ہیں، اس کے بعد صوم وصلوۃ کی پابند اور عبادت گزار بن گئی۔ خاوند کہا کرتا تھا: عبید بن عمیرؒ نے میری بیوی خراب کر دی، ہماری ہر شب شب زفاف ہوتی تھی مگر اس نے تو میری بیوی کو راہبہ بنا دیا۔ (تاریخ الثقات: ص ۳۲۲، ذم الھوی: ص ۲۱۰، ۲۱۱)

علامہ ابن جوزیؒ نے اس نوعیت کے اور بھی واقعات ذکر کیے ہیں، کہ اللہ والے کس طرح اس برائی سے بچتے ہیں، مگر یہاں استیعاب مقصود نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنا ڈر اور اپنی محبت پیدا فرمائے اور اپنی معصیت سے محفوظ رکھے۔ آمین

زنا کے درجات

زنا کی حرمت اور قباحت احادیث میں بڑی تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے، یہاں اس بارے میں اتنی بات ذہن نشین رہے کہ اجنبی عورت سے زنا بلا شبہ کبیرہ گناہ ہے، مگر اجنبی شادی شدہ سے زنا کی برائی کہیں بڑھ کر ہے، جس کی سزا شادی شدہ ہونے کی بنا پر سنگسار ہے، اور اس سے بڑی قباحت اس میں ہے کہ اپنی پڑوسی عورت سے بدکاری کی جائے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے، آپ نے فرمایا: یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے، حالانکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا، میں نے عرض کیا: اس کے بعد کونسا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا: کہ تو اپنی اولاد کو قتل کرے، میں نے پوچھا: کہ اس کے بعد؟ تو آپ نے فرمایا: " أن تزانی حلیلة جارک " کہ تو اپنے پڑوسی کی عورت سے بدکاری کرے۔

(بخاری ج ۲: ص ۱۰۰۶، مسلم)

حضرت مقدادؓ بن الاسود کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے

اسے حرام ٹھہرایا ہے، اور یہ قیامت تک حرام ہے، آپ نے فرمایا:

لأن یزنی الرجل بعشر نسوة أیسر علیه من أن یزنی بامرأة جاره .

(مسند احمد ، طبرانی، صحیح الترغیب: ج۲ص ۶۱۵)

اگر کوئی دس عورتوں سے زنا کرے یہ اس پر آسان ہے اس کی نسبت کہ وہ اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے،

گویا پڑوسی عورت سے بدکاری دوسری دس عورتوں کے ساتھ بدکاری سے زیادہ جرم ہے، اسی طرح وہ مجاہدین جو اسلام اور مسلمانوں کے دفاع اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دشمنوں سے برسرپیکار ہیں ان کی عورتوں کی حرمت اور ان سے زنا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حرمة نسآء المجاهدین علی القاعدین کحرمة أمهاتهم ،ما من رجل من القاعدین یخلف رجلا من المجاهدین فی أهله فیخونه فیهم اِلا وقف له یوم القیامة فیاخذ من حسناته ما شآء . (مسلم: ج۲ص۱۳۸)

مجاہدین کی عورتوں کی حرمت پیچھے رہنے والوں پر اس طرح ہے جیسے ان کی ماؤں کی حرمت ہے، جو آدمی مجاہد کے گھر رہتا ہے، پھر وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے قیامت کے دن اسے کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کی جس قدر چاہے گا نیکیاں لے گا۔

نسائی (ج۲ص۵۸) میں یہ الفاظ ہیں کہ کیا خیال ہے وہ اس کی کوئی نیکی چھوڑے گا؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کوئی بدنصیب محرمات سے منہ سیاہ کرے اسی طرح زنا تو بہر نوع حرام ہے، لیکن اگر کوئی بوڑھا اس کا ارتکاب کرے تو اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ثلاثة لا یکلمهم الله یوم القیامة ولا یزکیهم ولا ینظر الیهم ولهم عذاب علیم ، شیخ زان و ملک کذاب وعائل مستکبر .

(مسلم: ج۱ ص ۷۱)

تین قسم کے آدمیوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام نہیں کریں گے، اور نہ

انہیں گناہوں سے پاک کریں گے، اور نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھیں گے، ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹ بولنے والا بادشاہ، اور تیسرا تکبر کرنے والا فقیر۔

تکبر، جھوٹ اور زنا بہر نوع کبیرہ گناہ ہیں مگر مجرم کی حیثیت سے گناہ کی نوعیت بڑھ جاتی ہے۔ جیسے فقیر و مسکین آدمی تکبر کرے یا بادشاہ جس پر کسی کا دباؤ نہیں وہ بھی جھوٹ بولے، اور بوڑھا جسے چاہیے تو یہ کہ قبر و قیامت کی فکر کرے، مگر وہ بدکاری میں مست ہے، تو اس کے گناہ کی نوعیت کہیں بڑھ جاتی ہے۔

شادی کا حکم

اس دور میں ایمان کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کی بربادی ہو رہی وہ عفت و عصمت ہے، اس کی حفاظت کے جو طریقے ہو سکتے ہیں، اس کی ضروری تفصیل آپ پڑھ آئے ہیں، اس کی حفاظت ہی کا ایک بڑا ذریعہ شادی ہے، جو ایک طرف بقائے نسل انسان کا باعث ہے، تو دوسری طرف عفت کی حفاظت کا بہت بڑا سبب ہے، اس لیے شرمگاہوں کی حفاظت کے حکم کے ساتھ ہی فرمایا:

﴿ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ﴾ (المؤمنون: ٦)

سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے جو ان کے قبضے میں ہیں

رسول اللہ ﷺ نے شادی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانّه اغضّ للبصر و احصن للفرج. (بخاری: ص ١٠٦ ج ٩ مع الفتح و مسلم: ج ١ ص ٤٤٩)

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی قدرت رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ شادی کرلے، شادی آنکھیں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کا باعث ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انسان کو بنیادی طور پر تین قسم کی قوتیں عطا فرمائی ہیں۔

ا۔ قوت فکریہ، فکر صحیح سے توحید، اتباع، عبدیت کا سبق ملتا ہے، ورنہ انسان کفر و شرک اور بدعات کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

۲۔ قوت غضبیہ ، یہ فساد کی جڑ ہے، مگر نافرمانی دیکھ کر غصہ نہ آنا بھی ایمان کی کمی کا باعث ہے، دشمنان دین سے جہاد وقتال اسی قوت کا نتیجہ ہے ﴿ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴾ (الفتح :۲۹) جو صحابہ کرامؓ کا وصف بیان ہوا اسی کا کرشمہ ہے۔

۳۔ قوت شہوانیہ ،اس کی حفاظت کا حکم ہے، اسے ختم کرنے یا بلامحل ضائع کرنے کی اجازت نہیں ، یہ قوت نہ ہو تو نسل انسانی ختم ہو جائے ،اس سے خاندان بنتے ہیں اور پاکیزہ معاشرہ تشکیل پاتا ہے،غرضیکہ ان تینوں قوتوں کو اعتدال اور ڈھب سے استعمال کیا جائے تو فبہا ، ورنہ عقائد وافکار خراب ہو جاتے ہیں، اور پورا معاشرہ شر وفساد کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

امام مسلمؒ نے مندرجہ بالا حدیث کے کچھ بعد یہ روایت لاکر اس حدیث کی مزید وضاحت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذا أحدکم أعجبته المرأة فوقعت فی قلبه فلیعمد اِلی امرأته فلیواقعها فان ذٰلک یرد ما فی نفسه. (مسلم: ص ۴۵۰ ج ۱)

جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت بھلی لگے اور اس کی محبت اس کے دل میں بیٹھ جائے ،تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کے پاس جا کر اپنی ضرورت پوری کرے، اس سے اس کے دل میں جو اس عورت کے بارے میں خیال پیدا ہوا تھا زائل ہو جائے گا۔

گویا شادی انسان کے لیے بدکاری سے بچنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَ أَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ ﴾ (النور:۳۲) "تم میں سے جو مجرد ہو ، اس کا نکاح کردو الأیامیٰ ، اَیِّمٌ کی جمع ہے اور اس کا اطلاق ہر اس مرد اور عورت پر ہوتا ہے جو بے زوج ہو۔ (ابن کثیر: ج ۳ ص ۳۸۳) گویا پہلے اگر زوج تھا ، بعد میں طلاق یا وفات سے وہ مجرد ہو گیا ، مرد ہو یا عورت اس کا نکاح کردو۔

اسلام تجرد کی زندگی پسند نہیں کرتا، رھبانیت کا بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں، جبکہ عیسائیت اور ہندومت کی بنیاد ہی رہبانیت پر ہے، قدیم زمانہ سے یہ تصور پایا جاتا ہے، کہ

شادی بیاہ تعلق باللہ سے مانع ہے، دنیوی جنجال میں پڑنا اللہ والوں کا کام نہیں، اللہ والے لنگوٹ کے پکے ہوتے ہیں، مگر ان تصورات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

کا ن رسول الله ﷺ یأمر بالبآء ة و ینهی عن التبتل نهیًا شدیداً و یقول: تزوجوا الودود الولود فاِنِّیْ مکا ثر بکم الأ نبیآء .

(أحمد و اسنا ده حسن، المجمع: ص۲۵۸ ج۴)

رسول اللہ ﷺ شادی کا حکم فرماتے: اور سختی سے مجرد رہنے سے منع فرماتے، اور فرماتے: محبت کرنے والی اور بچے جننے والی سے نکاح کرو، میں تمہاری بنا پر دوسرے انبیاء پر فخر کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے شاگرد رشید حضرت سعیدؒ بن جبیر سے فرمایا: کیا تو نے شادی کی ہے؟ عرض کیا: جی نہیں، انہوں نے فرمایا: "**تزوج فاِنّ خیر هذه الأمة أکثرها نسآء**" نکاح کرو اس امت کے سب سے بہتر شخص کی سب سے زیادہ عورتیں تھیں۔ (بخاری: ص۷۶۰ ج۲) ان کی مراد نبی کریم ﷺ ہیں اس امت کی قید اس لیے لگائی کہ حضرت سلیمانؑ اس حکم سے خارج ہیں، کیونکہ ان کی سب سے زیادہ بیویاں تھیں۔ (صحیح بخاری: ج۱ص۴۷۴) بلکہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے انبیاء کرامؑ بھی شادی شدہ تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا** ﴾ (الرعد: ۳۷) " کہ ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے اور ہم نے انہیں بیویاں اور اولاد دی۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کرنا سنت انبیاء ہے۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ کا شمار اولین سابقین صحابہ میں ہوتا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے تجرد کی زندگی گزارنے کی اجازت چاہی، تو آپ نے منع فرمایا: (بخاری: ج۲ص۷۵۹) یہی حضرت عثمانؓ، علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ تینوں مل کر رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارک میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ کی رات کی عبادت کے بارے میں انہوں سے سوال کیا، جب انہیں اس کی آگاہی ہوئی تو انہوں نے اسے بہت کم محسوس

کیا، پھر وہ بولے ہماری آپ سے کیا نسبت، ایک بولا: میں تو شب بھر نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا، تیسرے نے کہا: میں بالکل نکاح نہیں کروں گا، آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی، تو آپ نے فرمایا: تم نے یہ باتیں کی ہیں، اللہ کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سے زیادہ اللہ کا فرمانبردار ہوں، میں روزہ رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔

(بخاری: ج۲ص ۷۵۷ و مسلم: ج ا ص ۴۴۹)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو جس قدر قوتیں اور صلاحیتیں عطاء فرمائی ہیں ان میں ایک قوت، قوت شھو یہ ہے نسل انسانی کی بقاء اس قوت کی بدولت ہے، اور یہی قوت انسان کی صحت وتندرستی کی علامت ہے، یہ قوت اس جگہ صرف ہونی چاہیے جہاں اس کے صرف کرنے کی اجازت ہے، مال وزر کی طرح اسے بے دریغ صرف کرنا، یا غلط جگہ پر صرف کرنا، صحت ومعاشرہ دونوں کی بربادی کا باعث ہے، ﴿ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴾ میں اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کی حد تک رکھا جائے، مقصد حیات نہ بنایا جائے، اسلام نے شادی کا حکم دے کر اس قوت کے جائز استعمال کا طریقہ بتلایا ہے، بلکہ ضرورت ہو تو بعض شرائط کے ساتھ ایک سے زائد دو، تین اور چار شادیوں کی بھی اجازت دی ہے، شادی کے علاوہ ایک دوسرا طریقہ ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ ﴾ کا ہے، کہ اپنی کنیز اور لونڈی سے بھی اظہار رجولیت اسی طرح جائز ہے جیسے بیوی سے اور کنیز سے، مراد شرعی کنیز اور باندی ہے، گھر میں کام کاج کرنے والی عرفی کنیز نہیں، کنیز سے استمتاع کے جواز کی بنیاد نکاح نہیں، بلکہ ملک ہے اگر ان کے ساتھ نکاح کی شرط ہوتی تو ازواج سے الگ ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، کیونکہ منکوحہ ہونے کی صورت میں وہ بھی بیوی ہوتی، ایسی صورت میں اس کا علیحدہ ذکر بے سود ہوتا، شرم گاہ کی حفاظت کے عمومی حکم سے بیوی کے ساتھ جو باندی کی استثناء ہے کہ اس پر شرمگاہ کو محفوظ نہ رکھنے میں ملامت نہیں تو یہ استثنا مردوں کے لیے ہے کیونکہ اس بات پر علمائے امت کا

اتفاق ہے کہ عورت کے لیے اپنے غلام سے ملاپ حرام ہے۔

(فتح القدیر : ص ۴۷۴ ج ۳، قرطبی : ص ۱۰۷ ج ۱۲ و غیرہ)

ایک منقطع روایت میں منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک عورت نے ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ سے استدلال کرتے ہوئے اپنے غلام سے ملاپ کیا، حضرت عمرؓ کے پاس اس کا معاملہ پیش ہوا، تو انہوں نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا کہ میرا یہ غلام ہے، میرا خیال تھا کہ جیسے مرد اپنی لونڈی سے ملاپ کرسکتا ہے، عورت بھی اپنے غلام سے ملاپ کرسکتی ہے، حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، تو انہوں نے کہا: کہ اسے رجم نہ کیا جائے، اس نے قرآن پاک کی تعبیر و تفسیر میں غلطی کی بنا پر ایسا کیا ہے، البتہ حضرت عمرؓ نے تعزیراً غلام کو جلاوطن کر دیا اور عورت کو فرمایا: کہ اب تو کسی آزاد مسلمان سے نکاح نہیں کرسکتی۔ (ابن کثیر وغیرہ) علامہ قرطبیؒ نے اس قسم کا ایک واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کا بھی ذکر کیا ہے، جس میں انہوں نے عورت سے فرمایا: کہ اگر تو جاہل اور بے خبر نہ ہوتی تو میں تمہیں رجم کرتا۔ (قرطبی: ص ۱۰۷ ج ۱۲)

علامہ ابن العربیؒ تو فرماتے ہیں کہ سورۂ المؤمنون کی ان آیات میں سبھی احکام مرد و عورت میں مشترک ہیں مگر ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ﴾ سے مراد صرف مرد ہیں عورتیں نہیں، جیسا کہ اس کے بعد کا جملہ ﴿اِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ﴾ اس پر دلیل ہے، رہا عورتوں کے بارے میں شرمگاہ کی حفاظت کا حکم تو وہ آیات احصان اور دوسرے دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔ (قرطبی: ج ۱۲ ص ۱۰۵)

علامہ ابن العربیؒ کا یہ فرمان بجائے خود غور طلب ہے کہ قرآن پاک میں عورتوں کی شرمگاہ کے حوالے سے ، محصنات ، احصنت کے الفاظ آئے ہیں، حضرت مریم صدیقہؑ کے ذکر میں بھی کہ ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ (التحریم : ۱۲) اور مریم عمران کی بیٹی، جنہوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا۔ علامہ راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں: اَلْحِصَان کے معنی پاکدامن عورت کے ہیں، خواہ وہ احصان پاکدامنی کی وجہ سے ہو، یا کسی کے ساتھ نکاح کرنے کی وجہ سے، اور عورت کو

مُحْصِنَةٌ اور مُحْصَنَةٌ (بصیغہ فاعل اور مفعول) دونوں طرح کہا گیا ہے کہ بصیغہ فاعل اس بنا پر کہ وہ خود اپنی حفاظت کرتی ہے، اور بصیغہ مفعول دوسرے کی جانب سے حفاظت کی وجہ سے ہے کہ خاوند اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں جہاں مُحْصَنَات کا لفظ آیا ہے، وہاں صاد کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھنا صحیح ہے، لیکن جہاں یہ لفظ حرمت کے بعد آیا ہے، وہاں فتح صاد کے ساتھ پڑھا جائے گا کیونکہ شوہر دار عورتوں کے ساتھ ہی نکاح حرام ہے، نہ کہ عفائف کے ساتھ، (مفردات القرآن)

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اِحْصَان کا اصل مادہ حصن ہے جس کے معنی ہیں قلعہ، یہ محفوظ جگہ کو کہتے ہیں، اور اسی سے احصان اور محصن اور محصنات پاکدامنی کے معنی میں ہے، بالخصوص شادی شدہ عورت جو خاوند اور اس کے خاندان کی حفاظت میں ہے، جس طرح قلعہ کو توڑنے والا باغی ہے، اسی طرح خاوند و خاندان کے حفاظتی قلعہ سے بغاوت کر کے برائی کا ارتکاب کرنے والی بھی سخت ترین سزا، یعنی رجم کی مستوجب ہے۔

بہر حال آیت کے عمومی حکم سے عورت بالاجماع خارج ہے، یا عورت اس کی مخاطب نہیں، اس سے مراد صرف مرد ہے عورت نہیں، کہ مرد اپنی بیوی اور لونڈی سے شرمگاہ کی حفاظت نہ کرنے میں باعث ملامت نہیں،

بیوی اور باندی کے علاوہ باقی ذرائع

بیوی اور باندی کے علاوہ ہر ایک سے شرمگاہ کی حفاظت کا حکم ہے، بلکہ خبردار فرمایا ہے کہ:

﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾ (المؤمنون:۷)

البتہ ان کے سوا جو کوئی اور ذریعہ چاہیں، وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

یعنی ان دو جائز صورتوں کے علاوہ خواہش نفس کی تکمیل کے لیے جو صورت بھی اختیار کرے گا وہ ناجائز اور حرام ہے، وہ زنا ہو، عمل قوم لوط ہو یا جانور سے بدفعلی ہو، ان تینوں کی حرمت پر اتفاق ہے، زنا اور زانی کی مذمت کے بارے قرآن وسنت کی

نصوص بڑی واضح ہیں، اور اس کی سزا بھی متعین ہے۔

اغلام بازی

اغلام بازی وہ جرم ہے جس کا ارتکاب سب سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کی بد نصیب قوم نے کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لُوطاً اِذْ قَا لَ لِقَوْمِهٖ أَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الاعراف ۸۰)

اور لوطؑ نے جب اپنی قوم سے کہا: تم بے حیائی کا وہ کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا کی مخلوق میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔

اس حقیقت کا اظہار اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۲۸ میں بھی فرمایا: کہ دنیا میں قوم لوطؑ نے سب سے پہلے اس بے حیائی کا ارتکاب کیا، قرآن مجید میں "الفاحشة" کا لفظ زنا کے معنوں میں کئی آیات میں آیا ہے اغلام بازی میں اس لفظ کا استعمال اس بات کا مشعر ہے کہ یہ عمل زنا کی ایک دوسری شکل ہے۔ اسی طرح حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿ اَتَاْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ٥ وَ تَذَرُوْنَ مَاخَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴾ (الشعراء: ۱۶۵، ۱۶۶)

کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو، اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لیے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو، بلکہ تم لوگ حد سے ہی گزر گئے ہو۔

غور کیجئے کہ "عٰدُوْنَ" کا لفظ اس اسلوب میں استعمال ہوا ہے، جس میں سورۂ المومنون میں ﴿ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ استعمال ہوا ہے، گویا اغلام بازی کرنے والا حد سے تجاوز کرتا ہے، حضرت لوطؑ کی یہ قوم اس شناعت میں اس حد تک چل نکلی تھی کہ وہ کھلم کھلا ایک دوسرے کے سامنے اس کے ارتکاب میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی تھی، چنانچہ سورۃ النحل میں فرمایا کہ: ﴿ أَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ أَنْتُمْ

تُبْصِرُوْنَ ﴾ (النحل :٥٤) تمہارا حال یہ ہے کہ تم آنکھوں دیکھتے بدکاری کرتے ہو، مغربی تہذیب میں آج بھی جنس پرستوں نے باقاعدہ اپنے کلب قائم کرر کھے ہیں، اور انہیں قانونی تحفظ بھی حاصل ہے۔

حضرت لوطؑ کی اس بدنصیب قوم پر عذاب آیا تو ان کی پوری بستی کو اٹھا کر آسمان کے قریب سے الٹا کر کے نیچے پٹک دیا، اور ان پر تہ بہ تہ کھنگر کی قسم کے پتھر برسائے غالباً اسی شدید عذاب کی وجہ سے یہ علاقہ سطح سمندر سے چار سو میٹر نیچے دب گیا ہے، جہاں اب بحیرہ مردار ہے، جسے بحیرہ لوط بھی کہتے ہیں، ان کی بستی کو الٹا کرنے میں ان کی شرمناک حرکت سے ظاہری مناسبت بالکل واضح ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس برے فعل سے خبردار کرتے ہوئے اپنی فکرمندی کا یوں اظہار فرمایا:

ان أخوف ما أخاف علٰی أمتی من عمل قوم لوط.

(ترمذی و حسنہ و الحاکم وصحح اِسنادہ،صحیح الترغیب: ج۲ ص ۲۶۱)

کہ اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ مجھے جس عمل سے خوف آتا ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس پر اللہ کی لعنت ہو جو زمین کی حد بندی کے نشان مٹاتا ہے، اور اس پر اللہ کی لعنت ہو جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے اور اس پر اللہ کی لعنت ہو جو اندھے کو غلط راہ پر لگاتا ہے، اور اس پر اللہ کی لعنت ہو جو اپنے والدین کو گالی دیتا ہے، اور اس پر اللہ کی لعنت ہو جو اپنے مالک کے علاوہ اپنی نسبت کسی اور کی طرف کرتا ہے، اور اس پر اللہ کی لعنت ہو جو جانور سے بدفعلی کرتا ہے، اور اس پر اللہ کی لعنت ہو جو قوم لوط کا عمل کرتا ہے، آخری جملہ آپ نے تین بار دہرایا۔

(ابن حبان، بیہقی صحیح الترغیب: ص۶۲۲ ج۲)

تقریباً اسی مفہوم کی ایک روایت حاکم اور طبرانی اوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے، جس میں آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: ''ملعون من عمل

عمل قوم لوط ‘‘ کہ جوقوم لوط کا عمل کرتا ہے وہ ملعون ہے۔
یہی نہیں بلکہ لواطت میں مبتلا فاعل ومفعول دونوں کورسول اللہ ﷺ نے قتل کا حکم دیا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من وجد تموه يعمل عمل قوم لوط فا قتلوا الفاعل و المفعول.

(ترمذی ابوداؤد و غیرہ صحیح الترغیب: ص ۲۲۲ ج ۲)

جس کوتم قوم لوط کا عمل کرتا ہوا پاؤ تو فاعل ومفعول دونوں کوقتل کردو
امام شافعیؒ کا اس روایت کے مطابق یہی فیصلہ ہے، کہ دونوں کوقتل کرنا چاہیے، جبکہ امام احمدؒ، امام مالکؒ اور امام اسحاقؒ وغیرہ فرماتے ہیں: دونوں کو بہر نوع رجم کرنا چاہیے۔ بلکہ امام ابراھیم نخعی فرماتے ہیں: کہ اگر کسی کو دو بار رجم کرنا درست ہوتا تو لوطی کو دو بار رجم کیا جاتا۔ آنحضرت ﷺ نے اس برے عمل کے بارے میں جس فکرمندی کا اظہار کیا ہے، صد افسوس کہ یہ امت اس سے نہ بچ سکی، زنا کی طرح اس بیماری میں مبتلا ہوئی، امت دعوت میں بعض کے ہاں تو یہ عمل قانوناً جائز قرار دے دیا گیا ہے اور اس عمل کے نتیجہ میں وہ ایڈز جیسی خطرناک بیماری سے دوچار کردیئے گئے۔ (أعاذ نا اللّٰه منه)

امرد (بے ریش لڑکے) کو دیکھنا

اس بری عادت سے بچاؤ کے لیے ہمارے اسلاف امراء کی اولاد کے ساتھ بیٹھنے سے اجتناب کرتے تھے چنانچہ امام ابراھیم نخعیؒ فرماتے ہیں:

كانوا يكرهون مجالسة ابنآء الملوك وقال: مجالستهم فتنة إنما هم بمنزلة النساء. (ذم الهوى: ص ۹۲ روضة المحبين: ص ۱۱۵)

کہ وہ یعنی تابعین کرام بادشاہوں کے بیٹوں کی مجلس میں بیٹھنا مکروہ سمجھتے تھے نیز فرمایا: کہ ان کے پاس بیٹھنا فتنہ کا باعث ہے کیونکہ وہ عورتوں کے قائم مقام ہیں۔
امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: کہ عورت کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے جبکہ لڑکے کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں۔ اسی طرح امام احمدؒ بن حنبل، امام مالکؒ اور امام یحی بن معینؒ سے منقول ہے کہ وہ بھی امرد کی صحبت کو درست نہیں سمجھتے تھے، اس سلسلے کی مزید تفصیل کے لئے

ہماری کتاب ''آفات نظر اوران کا علاج'' ملاحظہ فرمائیں۔

بیوی کے ساتھ وطی فی الدبر

لواطت کا عمل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا ينظر الله عزوجل الى رجل أتى رجلا أو امرأة في دبرها.

(ترمذی، نسائی، ابن حبان)

اللہ عزوجل اس آدمی کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے جو آدمی مرد کے ساتھ یا عورت کی دبر میں بدکاری کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حق بات کہنے میں کوئی حیا نہیں کرتے، خبردار عورتوں کی دبر میں بدکاری نہ کرو۔ (ابویعلی، صحیح الترغیب: ج ۲ص ۶۲۴) یہی روایت حضرت جابرؓ حضرت خزیمہؓ بن ثابت سے بھی مروی ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس پر اللہ کی پھٹکار ہو جو عورت کی دبر میں بدکاری کرتا ہے۔ (ابوداؤد، احمد، صحیح الترغیب: ج ۲ص ۶۲۵) اس لیے جو یہ فرمایا: کہ اپنی عورت یا لونڈی سے شرمگاہ کی حفاظت نہ کرنے پر ملامت نہیں تو اس سے مراد ان کی شرمگاہ ہے جو محل ملاپ ہے دبر قطعاً نہیں۔

جانور سے بدفعلی

اسی طرح اس آیت سے ثابت ہوا کہ جانور کے ساتھ بدفعلی بھی حرام ہے اوراس کی حرمت پر بھی اتفاق ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من أتى بهيمة فاقتلوه واقتلوها معه. (ابوداؤد، بیهقی)

جو شخص جانور سے بدفعلی کرے اسے قتل کرو اوراس کے ساتھ جانور کو بھی قتل کرو۔

اس روایت کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے اس لئے جانور سے بدفعلی کرنے والے اوراس جانور کے قتل کے متعلق بھی اختلاف ہے، امام شافعیؒ کا ایک قول اس

حدیث کے مطابق ہے، امام بیہقی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، متاخرین میں سے یہی رائے علامہ البانیؒ کی بھی ہے۔ (ارواء :ص ۱۳ ج ۸ ،صحیح الترغیب :ص ۳۲۶ ج ۲) آنحضرت ﷺ نے جانور سے بدفعلی کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے: لعن الله من وقع علی بهیمة ۔جو جانور سے بدفعلی کرتا ہے اللہ کی طرف سے اس پر لعنت ہو۔(بیهقی الصحیحة: ۳۴۶۲، صحیح الترغیب ۲۲۳ ج ۲)

استمناء بالید

اسی طرح اس آیت سے استمناء بالید یعنی اپنے ہاتھ سے منی خارج کرنا بھی حرام ثابت ہوتا ہے۔ جمہور علماء کا یہی موقف ہے، بلکہ بعض نے تو کہا ہے: کہ اگر اس کے جواز پر کوئی دلیل ہو پھر بھی ہر شریف النفس اس گھٹیا پن سے اعراض کرے گا۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے: کہ امام احمدؒ اپنے تمام تر ورع وتقوی کے باوصف اس کے جواز کے قائل تھے، ان کا خیال ہے کہ جیسے سنگی یا فسد کے ذریعہ فضلہ بدن کا اخراج عندالضرورت جائز ہے تو استمناء بالید بھی عندالضرورت جائز ہے۔ (قرطبی :ص ۱۰۵ ج ۱۲) مگر یہ قیاس قرآن کی ظاہر نص کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرمگاہ کی عدم حفاظت کو صرف دو صورتوں میں باعث ملامت قرار نہیں دیا، اب اس کے علاوہ جونسا طریقہ بھی اختیار کیا جائے وہ بہر حال باعث ملامت ہے، اب اس سے انحراف کسی دلیل کے بغیر جائز نہیں۔ (اضواء البیان :ص ۵۲۶ ج ۵)

حرمت متعہ

اس آیت سے مفسرین نے متعہ کی حرمت پر بھی استدلال کیا ہے، حضرت قاسمؒ بن محمد سے جب متعہ کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس کی حرمت تو اللہ کی کتاب سے ثابت ہوتی ہے، اس کے بعد انہوں نے یہی آیت تلاوت کی۔

(عبدالرزاق : ج۷ ص ۵۰۳ ابو داود فی ناسخه)

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے جب متعہ کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا: بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ کِتَابُ اللّٰهِ میرے اور تمہارے مابین اللہ کی کتاب ہے۔ اس

کے بعد انہوں نے یہی آیت تلاوت کی۔

(الحاکم و صححه ابن ابی حاتم و ابن المنذر، الدر المنثور: ص۵ ج۵)

مگر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ سورت تو مکی ہے، اس لئے متعہ کی حرمت کے لئے اسے نص قرار دینا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے، جب کہ یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ متعہ کی حرمت کا آخری اور قطعی حکم فتح مکہ کے سال دیا گیا، اس لئے متعہ کی حرمت کا ثبوت قرآن مجید سے صحیح نہیں۔ علامہ آلوسیؒ نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے، کہ سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کی تین نوعیتیں ہیں۔ (۱) مشہور قول کے مطابق جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں۔ (۲) مکی وہ ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں اگرچہ وہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں اور مدنی وہ جو مدینہ میں نازل ہوئیں۔ (۳) جن میں اہل مکہ سے خطاب ہے وہ مکی، اور جن میں اہل مدینہ سے خطاب ہے وہ مدنی، جیسا کہ علامہ سیوطی نے (الاتقان: ص ۹ ج ۱) ذکر کیا ہے۔ نزول کی تقسیم کے دوسرے اعتبار سے ممکن ہے کہ المؤمنوں کی یہ آیات فتح مکہ کے دوران نازل ہوئی ہوں۔ (روح المعانی: ص ۹ ج ۲۰) بلکہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ المومنون مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الاتقان: ص ٦ ج ۱)

علاوہ ازیں یہ اعتراض تب کوئی حیثیت رکھتا تھا جب اس آیت کا شان نزول متعہ کی حرمت قرار دیا جاتا، حضرت عائشہؓ اور امام قاسمؒ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ آیت متعہ کی حرمت پر دال ہے، اور یہ بات تو اپنی جگہ متفق علیہ ہے کہ کبھی قرآن مجید میں آیت کا نزول ہوتا ہے مگر اس سے متعلقہ حکم بعد میں نازل ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہؓ بن عمر فرماتے ہیں: کہ ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ سے مراد زکاۃ فطر ہے، حالانکہ سورۃ الاعلیٰ (جس میں یہ آیات ہیں) مکی ہے اور زکاۃ فطر کا حکم ہجرت کے بہرحال بعد ہے، علامہ سیوطیؒ نے الاتقان کی النوع الثانی عشر میں اس کی متعدد مثالیں بیان کی ہیں، اس لئے مکی سورت میں بیوی اور لونڈی کے علاوہ شرمگاہ کی حفاظت نہ کرنے پر ملامت کا جو حکم دیا تھا اس کا تفصیلی فیصلہ اور قطعی حرمت مدنی دور میں ہوئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ أعلم۔

﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴾ (المؤمنون :٨)

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔

فلاح اور فوز سے سرفراز ہونے والے ایمانداروں کا پانچواں وصف یہ بیان ہوا ہے کہ امانت کو پورا کرتے ہیں، اور اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ ''امانت'' کا لفظ ہی ''امن'' سے ہے، اور امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے کے ہیں، اور امین بھی امانت کی ادائیگی میں ہی اطمینان پاتا ہے، اور امین بھی وہی ہوتا ہے جس کے بارے میں دل مطمئن ہو کہ یہ خیانت نہیں کرے گا۔'' امن، امانت اور امان یہ سب اصل میں مصدر ہیں۔ اور ''امان'' کے معنی کبھی حالت امن کے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائے۔ (مفردات الراغب) أَمٰنٰتِهِمْ جمع کا صیغہ لایا گیا کہ امانت کی قسمیں بیشمار ہیں خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔

دین کی عمارت امانت پر قائم ہے

بلکہ پورے دین کی عمارت اسی امانت پر قائم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دین حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا فرمایا: تو جبریل علیہ السلام کا لقب ہی ''الروح الامین'' قرار پایا۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی ''امین'' کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ سورۂ الشعراء میں انبیاء کرام کی دعوت کے حوالے سے ہر نبی کا یہ قول بیان ہوا ہے: کہ ﴿اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ أَمِیْنٌ﴾ میں تمہارے پاس رسول امین ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو آپ کی جان کے پیاسے بھی صادق وامین تسلیم کرتے تھے، بلکہ تمام عداوتوں کے باوجود امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے، ہجرت کی رات اپنے بستر مبارک پر جو حضرت علیؓ کو چھوڑ گئے، تو انہیں فرمایا: کہ یہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا کر مدینہ چلے آنا۔ ہرقل نے بھرے دربار میں ابوسفیانؓ سے جب آپ کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ تو سخت ترین عداوت کے باوجود برملا کہا کہ:

أَنَّه يأمر بالصلاة والصدقة والعفاف والوفاء بالعهد وأداء الأمانة.

وہ نماز، صدقہ، پاکدامنی، وفاءعہد اور ادائے امانت کا حکم دیتے ہیں، تو ہرقل نے کہا: یہ تو نبی کی صفت ہے۔ (بخاری مع الفتح: ج۵ ص۲۸۹)

حضرت جعفر طیارؓ نے شاہ حبشہ کے دربار میں اعلان کیا تھا کہ:

نعرف نسبه وصدقه و أمانته وأمرنا أن لانشرک به شيئا وأمرنا بالصلاة والزكاة وبصدق الحديث وأداء أمانة وصلة الرحم الخ.

(احمد: ص ۲۰۲ ج ۱)

ہم ان کا نسب نامہ اور ان کی صداقت وامانت کو جانتے ہیں، وہ ہمیں حکم کرتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور حکم دیتے ہیں کہ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، سچ بولو، امانت ادا کرو، صلہ رحمی کرو۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ ایک بدنصیب نے یہ جسارت کی اور کہا: اتق الله يامحمد اے محمد ﷺ! اللہ سے ڈرو آپ نے فرمایا: تم پر افسوس، کیا میں روئے زمین پر بسنے والوں میں زیادہ حقدار نہیں کہ اللہ سے ڈروں، تم مجھے امین کیوں نہیں سمجھتے، وأنا أمين من في السماء يأتيني خبر من السماء صباحا ومساء حالانکہ میں اللہ کا امین ہوں صبح وشام میرے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں (مسند احمد: ص۴ ج۳) ان میں کوئی خیانت نہیں کرتا تو تمہارے ساتھ خیانت کروں گا؟ (كلّا والله ثم كلّا)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَآ أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ﴾

اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، وہ پہنچا دو اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔

صدیقہ کائنات ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: من حدثک أن محمدا كتم شيئا ممّا انزل عليه فقد كذب. (بخاری: ج۲ ص ۶۶۴، مسلم: ج ۱ ص ۹۸) جو تمہیں یہ کہے: کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ محمد ﷺ پر نازل کیا اس میں سے کچھ آپ

نے چھپا لیا اسے بیان نہیں کیا، بلا ریب وہ جھوٹ کہتا ہے۔ گویا دین کا یہ سارا سلسلہ اسی امانت پر قائم ہے، رسول امین ﷺ نے دین کی ساری باتیں بتمام وکمال امت کو بتلا دیں دین کی کوئی بات مخفی نہیں رکھی، اس لئے امام مالکؒ بدعتی کے بارے میں جو دین میں کسی نئی بات کو جاری کرتا ہے، اور اسے اللہ کی رضا کا سبب سمجھتا ہے، فرماتے ہیں:

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم أن محمد ﷺ خان الرسالة. (الاعتصام للشاطبی: ص ۴۹ ج ۱)

جو اسلام میں ایسی بدعت ایجاد کرتا ہے، جسے وہ اچھی خیال کرتا ہے، تو وہ یہ خیال کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے رسالت میں خیانت کی ہے۔ (معاذ اللہ)

یعنی اگر یہ عمل اچھا ہوتا اور دین اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہوتا تو لازماً رسول اللہ ﷺ امت کو اس سے آگاہ فرماتے، کیونکہ دین مکمل ہو چکا، اب اس میں اضافہ آپ کو معاذ اللہ خائن سمجھنے کے مترادف ہے۔

امانت کی اہمیت

کائنات کے سب سے بڑے امین نے اپنی ابتدائی تعلیم میں امانت کی حفاظت کا حکم فرمایا: جیسا کہ حضرت جعفرؓ اور ابوسفیانؓ کے بیان سے آپ پڑھ آئے ہیں، بیعت عقبہ میں سابقین اولین انصار سے جس بات پر عہد لیا اس میں ایک امانت کا عہد تھا، چنانچہ حضرت عبادہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اضمنوا لی ستّا من أنفسکم أضمن لکم الجنّة اصدقوا اِذا حدّثتم وأوفوا اذا وعدتم وادوا الأمانة اِذ ائتمنتم واحفظوا فروجکم وغضّوا أبصارکم و کفوا ایدیکم. (احمد، ابن حبان، حاکم، صحیح الترغیب: ج ۲ ص ۳۹۷)

مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، جب تم بات کرو تو سچ بولو، جب تم وعدہ کرو تو وفا کرو، جب امین بنایا جائے تو اسے ادا کرو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، آنکھیں نیچی رکھو اور ہاتھوں کو روکے رکھو، کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔

یہی روایت معمولی اختلاف سے حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ سے بھی مروی ہے، بلکہ آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ:

ماخطبنا النبی ﷺ اِلّاقال: لااِیمان لمن لا أمانة له و لا دین لمن لا عهدله. (احمد والبزار، صحیح الترغیب: ج۳ص۱۵۶)

جب بھی آپ نے ہمیں وعظ فرمایا: اس میں فرمایا، جو امانت دار نہیں، اس کا ایمان نہیں، جس کا عہد و پیمان نہیں، اس کا دین نہیں۔

گویا ایمان و امانت لازم و ملزوم ہیں، اگر امانت دار نہیں، تو ایمان بھی نہیں، حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے:

لایغرنک صلاة رجل ولا صیامه من شاء صام و من شاء صلّی ولکن لادین لمن لا امانة له. (شعب الایمان: ص ۳۳۶ ج ۴)

تمہیں کسی شخص کی نماز اور اس کا روزہ دھوکہ میں نہ ڈالے، جو چاہے روزہ رکھے، جو چاہے نماز پڑھے، مگر اس کا کوئی دین نہیں، جو امانت دار نہیں۔

حجۃ الوداع کے عظیم الشان خطبہ میں آپ ﷺ نے جو پند و نصائح فرمائے، ان میں یہ بھی فرمایا کہ:

من کانت عنده أمانة فلیؤدّها اِلی من ائتمنه علیها.

جس کے پاس امانت ہو اسے چاہیے کہ وہ اس امانت کو اس تک پہنچادے، جس نے اس پر اسے امین بنایا ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جو آپ ﷺ نے نصیحتیں فرمائیں ان کا ذکر خود حضرت معاذؓ یوں کرتے ہیں:

أخذ بیدی رسول الله ﷺ فمشی قلیلا ثمّ قال: یا معاذ! أوصیک بتقوی الله وصدق الحدیث ووفاء العهد وأداء الأمانة و ترک الخیانة ورحم الیتیم و حفظ الجوار و کظم الغیظ ولین الکلام و بذل السلام ولزوم الامام، الحدیث. (ضعیف الترغیب: ج۲ص۲۹۷)

کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا، پھر تھوڑی دور میرے ہمراہ چلے تو فرمایا:
اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ہر حال میں ڈرنا، ہمیشہ سچ بولنا، عہد پورا کرنا، امانت کو ادا کرنا، خیانت نہ کرنا، یتیم پر شفقت کرنا، اپنے پڑوسی کے حقوق کی حفاظت کرنا، غصے کو دبانا، نرم کلام کرنا، السلام علیکم کو عام کرنا اور امیر سے چمٹے رہنا۔

یہ ایک طویل روایت ہے، جس کا ابتدائی حصہ ہم نے نقل کیا، ان نصائح میں ہر ایک نصیحت ایک مستقل عنوان ہے اور انہی میں ایک وصیت یہ ہے، کہ اگر کوئی امانت تمہارے سپرد کی جائے تو اس کی حفاظت کرنا، اس میں خیانت کا ارتکاب نہ کرنا۔

اسی طرح منافق کی علامات بیان کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا:

آية المنافق ثلاث: اِذا حدّث كذب واِذا وعدأخلف واِذا ائتمن خان. (بخاری: ج ا ص ۱۰ مسلم: ج ا ص ۵۶)

منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب امانت اس کے سپرد کی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔

اور مسلم میں یہ الفاظ زائد ہیں: **وان صلی و صام و زعم انه مسلم**۔ اگرچہ وہ نماز پڑھے، روزہ رکھے، اور اپنے بارے میں خیال کرے کہ میں مسلمان ہوں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أربع من كن فيه كان منافقا خالصا ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها اِذا ائتمن خان واِذا حدث كذب واِذا عاهدغدر ، واِذا خاصم فجر. (بخاری: ج ا ص ۱۰، مسلم: ج ا ص ۵۶)

چار خصلتیں جس میں پائی جائیں، وہ پکا منافق ہے، اور ان علامات سے جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جائے گی، تا آنکہ وہ اسے چھوڑ دے، وہ چار خصلتیں یہ ہیں: جب امانت سپرد کی جائے وہ اس میں خیانت کرے جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑا کرے حق چھوڑ دے سخت انتقام لے۔

گویا عملی نفاق کی یہ چار بڑی علامتیں ہیں اور منافقوں میں یہ سب پائی جاتی تھیں، ان خصلتوں میں جس قدر کوئی مبتلا ہوگا اسی قدر اس میں منافق کی علامت پائی جائے گی البتہ وعدہ کی تکمیل میں اگر کوئی مخلص ہے، اور کوشش کے باوجود وہ اسے پورا نہیں کر سکا، تو وہ عند اللہ قابل مواخذہ نہیں، چنانچہ حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

اِذا وعد الرجل أخاه ومن نيّته أن يفي له فلم يف فلا اِثم عليه.

(ابوداود، ترمذی، فتح الباری: ص ۹۰ ج ۱)

جب کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے، اور اس کی نیت یہ ہو وہ اسے پورا کرے گا، مگر وہ اسے پورا نہ کر پائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

امانت میں خیانت ایسا جرم ہے کہ اللہ کی راہ میں اگر کوئی شہید ہو جائے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر بددیانتی اور خیانت کی معافی نہیں، چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

القتل فی سبیل الله یکفر الذنوب کلها اِلّا الامانة قال: یؤتی العبد یوم القیامة وان قتل فی سبیل الله فیقال: أدأمانتک الحدیث.

(احمد، بیهقی، صحیح الترغیب: ص ۱۵۲ ج ۳)

کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے سے امانت کے علاوہ باقی سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا، اگرچہ وہ شہید ہی کیوں نہ ہو، اسے کہا جائے گا، کہ اپنی امانت کو ادا کرو۔

زاذان راوی کا بیان ہے: کہ میں یہ بات سن کر حضرت براء بن عازبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا: دیکھئے عبداللہؓ بن مسعود کیا فرماتے ہیں، انہوں نے فرمایا: وہ سچ کہتے ہیں، تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا، کہ امانتیں ان کے حقداروں کو پہنچا دو

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارث السلمی فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے آپ ﷺ نے پانی طلب کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ مبارک ڈالا، پھر اس

سے وضو کیا، تو ہم نے بقیہ پانی گھونٹ گھونٹ پی لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا تم نے کیوں کیا؟ تو ہم نے عرض کی: کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں ہم نے ایسا کیا ہے، آپ ﷺ فرمایا:

فإن احببتم أن يحبكم اللّٰه و رسوله فأدّوا إذا ائتمنتم و اصدقوا إذا حدثتم و أحسنوا جوار من جاوركم. (طبرانی ،صحیح الترغیب: ص ۱۲۲ ج ۳)

اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول تم سے محبت کریں تو جب کوئی امانت تمہارے سپرد کی جائے اسے ادا کرو، جب بات کرو تو سچ کہو، اور اپنے پڑوسی سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرو۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اگر چار چیزیں تم میں پائی جائیں تو پھر دنیا کی باقی چیزوں کے نہ ملنے پر کوئی غم نہیں، امانت کی حفاظت، صدق حدیث، حسن خلق، اور رزق حلال۔ (احمد،صحیح الترغیب: ج ۳ص ۱۲۲)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

يطبع المؤمن على كل خلة غير الخيانة و الكذب. (ابویعلیٰ، البزار)

مومن ہر عادت اپنا سکتا ہے مگر خیانت اور جھوٹ کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

امام دارقطنی کا خیال ہے کہ یہ روایت موقوف ہے، مگر اس کی تائید حضرت ابو امامہؓ اور ابن عمرؓ کی روایت سے ہوتی ہے۔

امانت داری کے باعث عز و شرف

حضرت جبریل اور حضرات انبیاء کرام کے حوالے سے بالعموم اور سید الاولین والآخرین حضرت محمد ﷺ کے حوالے سے بالخصوص آپ پڑھ آئے ہیں، کہ وہ سب امین تھے، دشمن بھی آپ کے اس وصف سے متصف ہونے کے معترف تھے، اس بنا پر وہ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے اور اختلاف کی صورت میں آپ سے فیصلہ لیتے۔ چنانچہ حجر اسود کے نصب کرنے میں اختلاف ہوا تو وہ پکار اٹھے هذا محمد الأمين رضينا به حكما۔ یہ ''محمد'' امین ہیں ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے اسی

وصف کی تصدیق پاکر آپ کے حبالۂ عقد میں آنے کی تمنا کی۔غور فرمایئے،حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے گھر خیانت کا ارتکاب نہ کیا، تحقیق واقعہ کے بارے میں انہوں نے صاف صاف فرمایا:

﴿ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّی لَمْ اَخُنْہُ بِالْغَیْبِ وَأَنَّ اللّٰہَ لَایَھْدِی کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ﴾ (یوسف: ۵۲)

یہ اس لئے کہ عزیز مصر جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی خیانت نہیں کی، بلا شبہ اللہ خیانت کرنے والے کا مکروفریب چلنے نہیں دیتا۔

مکروفریب میں عزیز مصر کی بیوی نے کیا کیا کرتب دکھائے، مگر بالآخر اس کا پردہ چاک ہوا، تو خود پکار اٹھی ﴿أَنَا رَاوَدْتُّہُ عَنْ نَّفْسِہٖ وَ اِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (یوسف: ۵۱) اپنا مطلب نکالنے کی میں نے کوشش کی تھی، یوسف علیہ السلام تو بالکل سچے ہیں، جب حضرت یوسف علیہ السلام کی اس امانت و دیانت کی بدولت عظمت ظاہر ہوئی، تو عزیز مصر نے بھی اعلان کر دیا: ﴿اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ﴾ (یوسف: ۵۴)

آج سے آپ ہمارے ہاں قدر و منزلت رکھتے ہیں، اور آپ کی امانت پر پورا بھروسہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے، کہ آپ حلم وضبط ، ذہانت و فطانت اور معاملہ فہمی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، مگر شاہی اختیارات سونپتے ہوئے عزیز مصر نے جس وصف کا بطور خاص ذکر کیا وہ یہی کہ آپ امین ہیں، آپ کی امانت پر ہمیں پورا پورا اعتماد ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر غور کیجئے، مصر سے فرعون کی پکڑ دھکڑ سے بچنے کے لئے مدین پہنچتے ہیں کیا دیکھتے ہیں کہ دو نوجوان لڑکیاں اپنے جانور ایک کنویں کے قریب روکے کھڑی ہیں، لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں، اور یہ حیا کی ماری ہوئی ایک طرف کھڑی اپنی باری کا انتظار کر رہی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر کنویں سے پانی نکال کر جانوروں کو پانی پلایا، جس کی بدولت وہ جلد گھر واپس

ہوگئیں، تو والد حضرت شعیبؑ نے خلاف معمول جلدی گھر واپس آنے کا سبب پوچھا، تو انہوں نے اصل ماجرا سنا دیا، حضرت شعیبؑ نے گوارا نہ کیا کہ ایسے محسن کو نظر انداز کر دیں بیٹی کو بھیجا کہ انہیں بلا لائے تاکہ کچھ نہ کچھ احسان کا بدلہ چکایا جائے، قصہ مختصر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے، تو موقعہ کی مناسبت سے ایک بیٹی نے عرض کی، کہ ہم سے روز روز یہ کام مشکل ہے، ابا حضور! آپ انہیں اپنا ملازم رکھ لیں، چنانچہ الفاظ ہیں:

﴿ قَالَتْ اِحْدٰھُمَا یٰاَبَتِ اسْتَاْجِرْہُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴾ (القصص: ۲۶)

پھر ان دو میں سے ایک نے کہا اے ابا جی! ان کو نوکر رکھ لیں کیونکہ اچھا نوکر وہی ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔

حضرت شعیبؑ کی بیٹی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان دونوں اوصاف کا خوب تجربہ ہو چکا تھا ملازم وہی بھلا جس کے قوائے جسمانی مضبوط ہوں اور خدمت کی بجا آوری میں خیانت و بددیانتی سے کام نہ لے بلکہ امانت دار ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مسافری میں اس وصف امانت کے باعث نوکری بھی مل گئی اور بالآخر بیوی بھی، اسی سے آج تک یہ اصول چلا آتا ہے، کہ مالک اور آقا کے ہاں اسی ملازم اور غلام کو عزت ملتی ہے جو امانتدار ہوتا ہے، خائن اور بددیانت نوکر دردر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے، تجارت میں بھی اسکو شہرت اور نیک نامی ملتی ہے جو امانت کی پاسداری اور وعدہ وفا کرتا ہے۔

امانتدار تاجر

اس کا دنیوی کاروبار ہی بام عروج تک نہیں پہنچتا بلکہ آخرت میں بھی انبیاء وصلحاء کا رفیق بنتا ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

التاجر الصدوق الأمین مع النبین و الصدیقین و الشھدآء.

(ترمذی و حسنہ، صحیح الترغیب: ج ۲ ص ۳۴۲)

سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے روز انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

امام سفیانؒ بن عیینہ نے کس قدر حقیقت پر مبنی بات فرمائی کہ من لم یکن لہ رأس مال فلیتخذ الأمانة رأس المال. (شعب الایمان) جس کے پاس تجارت اور کاروبار کے لئے پونجی نہیں اسے چاہیے کہ امانت کو اپنی پونجی بنالے۔ ظاہر ہے کہ امانت و دیانت کی پونجی سے ہی تاجر اپنا وقار بناتا ہے اور روز بروز اپنے کاروبار میں ترقی پاتا ہے، اس کے برعکس جو دیانت کا اہتمام نہیں کرتا، اپنا وقار کھو بیٹھتا ہے، اور ایک نہ ایک روز اس کے کاروبار کا بھٹہ بیٹھ جاتا ہے۔

تجارت میں امانت کا تقاضا ہے کہ اگر کسی چیز کو فروخت کرتے ہوئے عیب پایا جائے تو خریدار کو اس سے خبردار کردے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ کوئی عیب ناک چیز فروخت کرے، مگر اس کا عیب بیان نہ کرے۔ (احمد، حاکم، صحیح الترغیب: ج ۲ ص ۳۳۸)

حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ بائع اور مشتری اگر سچ کہیں اور کوئی عیب نہ چھپائیں تو ان کی تجارت میں برکت ہوگی، اور اگر دونوں نے جھوٹ بولا اور عیب کو چھپایا تو برکت اٹھالی جائے گی۔ (بخاری: ج ۱ ص ۲۷۹) حضرت واثلہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو کوئی بلا وضاحت عیب ناک چیز فروخت کرتا ہے وہ اللہ کے غضب میں رہتا ہے، اور اللہ کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ: ص ۱۶۳)

حضرت واثلہؓ بن اسقع جو اس حدیث کے راوی ہیں، انہی کے بارے میں ابو سباعؒ کا بیان ہے: کہ میں نے حضرت واثلہؓ کے ہاں سے اونٹنی خریدی، میں جب اونٹنی لیکر وہاں سے نکلا، تو حضرت واثلہؓ میرے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: تم نے یہ اونٹنی خرید کرلی ہے، میں نے کہا: جی ہاں، انہوں نے فرمایا: اس میں ایک عیب ہے، میں اس سے تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا وہ کیا، انہوں نے فرمایا: یہ بظاہر بڑی صحت مند ہے، تم اسے ذبح کرنا چاہتے ہو یا اسے سفر میں سواری کے لئے خریدا ہے، میں نے کہا: حج پر جانے کا ارادہ ہے، اور سواری کے لئے میں نے اسے خریدا ہے، انہوں نے فرمایا: پھر آپ اسے واپس کردیں، اونٹنی کے مالک نے کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے آپ خرابی کررہے ہیں،

انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے: کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ کوئی چیز فروخت کرے اوراس کا عیب بیان نہ کرے، اور جسے اس عیب کا علم ہو اس کے لئے بھی حلال نہیں کہ وہ اسے بیان نہ کرے۔

(حاکم، بیھقی صحیح الترغیب: ج ۲ ص ۳۳۷)

دو مسلمان بھائی باہم مل کر تجارت کرتے ہیں، امانت کا تقاضا ہے کہ وہ بھی ایک دوسرے سے خیانت کا ارتکاب نہ کریں، اور ایک دوسرے سے کوئی معاملہ نہ چھپائیں، اور دھوکے میں رکھ کر اپنی جیب گرم کرنے کی جسارت نہ کریں۔

حضرت ابو ہریرۃؓ کا بیان ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

أنا ثالث شريكين مالم يخن أحدهما صاحبه فاذا خان خرجت من بينهما. (ابو داؤد: ج۳ص ۲۶۴ حاکم: ج ۲ ص ۵۲)

کاروبار میں دو شریک جب تک باہم خیانت نہ کریں تیسرا میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں جب ایک دوسرے سے خیانت کرتا ہے، میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔

امام رزینؒ نے یہ الفاظ زیادہ ذکر کئے ہیں: کہ ان کے مابین شیطان آجاتا ہے، دارقطنی کے الفاظ ہیں: کہ میری اعانت ان دونوں کو حاصل رہتی ہے جب تک وہ خیانت نہیں کرتے، جب کوئی ایک خیانت کرتا ہے میری مدد ان کے شامل حال نہیں رہتی ۔امام حاکمؒ نے گو اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے مگر امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں: کہ اس کا مرسل ہونا زیادہ صحیح ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: تاجر میں تین خصلتیں بھلائی کی علامت ہیں۔

۱۔ آدمی جب کوئی چیز خریدے تو اس کی مذمت نہ کرے اور جب فروخت کرے تو اس کی تعریف نہ کرے، تاکہ جھوٹ سے بچ سکے۔

۲۔ خیانت سے بچنے کے لئے مسلمانوں کی خیر خواہی کرے۔ (یعنی کوئی عیب ناک چیز دھوکے سے فروخت نہ کرے)

۳۔ ماپ تول میں کمی سے بچنے کے لئے وزن پورا پورا کرے۔

(شعب الایمان: ج ۴ص ۳۳۲)

حضرت عبداللہؒ بن محیریز کا شمار عظیم الشان تابعین کرام میں ہوتا ہے، اہل دمشق ان پر فخر کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے: کہ اگر اہل مدینہ اپنے لئے حضرت ابن عمرؓ کا وجود خیر و برکت کا باعث سمجھتے ہیں، تو ہم عبداللہؒ بن محریز کو اپنے لئے باعث خیر و برکت سمجھتے ہیں، یہی حضرت عبداللہؒ بن محیریز ایک بار سودا سلف خریدنے کے لئے بازار تشریف لے گئے تو دوکاندار سے کسی نے کہا: تمہیں معلوم ہے، یہ ابن محیریزؒ ہیں، ان سے معاملہ صحیح صحیح کرنا اور ان کا خیال کرنا، حضرت عبداللہ بن محریز ناراض ہوئے اور فرمایا: انا نشتری بأموالنا ولسنا نشتری بدیننا ہم روپے سے سودا خریدتے ہیں اپنے دین سے نہیں۔

(شعب الایمان: ج ۴ص ۳۳۲)

حکومتی منصب بھی امانت ہے

حکومتی منصب کسی نوعیت کا ہو، وہ خلیفہ ہو یا اس کا کوئی وزیر و مشیر، قاضی ہو یا عامل، وہ بہر حال ایک امانت ہے اسے چاہیے کہ اپنے منصب کی ذمہ داریوں کو نبھائے، ورنہ منصب چھوڑ دے، آج تو یہ باعث شرف ہے، مگر کل یہی ذلت و رسوائی کا سبب بنے گا۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: کہ مجھے عامل مقرر کردیجئے، تو آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا:

یا أباذر اِنک ضعیف واِنّها أمانة واِنها یوم القیامة خزی و ندامة اِلامن أخذها بحقها وادی الّذی علیه فیها (مسلم ج ۲ ص ۱۲۱)

اے ابوذر! تو کمزور ہے، یہ منصب امانت ہے، اور یہ قیامت کے دن ذلت و ندامت کا باعث ہے، الا یہ کہ وہ اس کا حق ادا کرے، اور ذمہ داری کو پورا کرے۔

صحیح بخاری (ج ۱ص ۱۴) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذا ضیعت الأمانة فانتظر الساعة ۔ کہ جب امانت ضائع کردی جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔ آپ سے عرض کی گئی: کہ امانت کے ضائع ہونے کے کیا معنی؟

آپ نے فرمایا: اِذا وسد الأمر الی غیر أهله فانتظر الساعة. جب نااہل کو کوئی منصب سونپ دیا جائے، تو پھر قیامت کا انتظار کرو، لہٰذا کسی کو کوئی ذمہ داری سونپنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اس کا اہل بھی ہے یا نہیں، اگر نااہل کو کوئی منصب دے دیا جائے تو یہ خیانت ہے، بیت اللہ کے چابی بردار عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ تھے، یہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مسلمان ہوئے تھے، تفسیر ثعلبی میں مذکور ہے کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، بعض مفسرین نے بھی یہ بات نقل کی حتیٰ کہ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے بھی لکھ دیا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہوئے تھے۔ (سیرت النبی ص۲۱۰ ج۶) حالانکہ یہ بالکل غلط ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کی ہے اور اس قول کو منکر قرار دیا ہے۔ (الاصابہ: ص۲۲۰، ۲۲۱ ج۴) البتہ ان کے بھائی شیبہ بن طلحہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ بن طلحہ سے بیت اللہ کی چابی طلب کی، حضرت علیؓ نے مطالبہ کیا کہ چابی مجھے عنایت فرمائی جائے، اس پس منظر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلَى أَهْلِهَا ﴾ (النساء: ۵۸)

اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں: کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کردو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے چابی حضرت عثمانؓ کو لوٹا دی۔ اس آیت میں بھی یہی حکم ہے کہ امانت اس کے حقداروں کے سپرد کرنا چاہیے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: کہ جو مسلمانوں کا حاکم ہو اور وہ محض اپنی قرابتداری اور محبت کی بنا پر کسی کو کوئی عہدہ سپرد کر دیتا ہے تو وہ اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کا ارتکاب کرتا ہے۔ امام حاکمؒ نے یہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً بھی نقل کی ہے مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

(الضعفاء للعقیلی: ۲۴۸ ج ۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: کہ حاکم کی مثال بازار کی سی ہے، اس میں جو چیز آئے وہی ملے گی، اگر وہ اس میں کذب، فسق وفجور، جور وظلم اور خیانت لائے تو یہی چیزیں ملیں گی اگر صدق، عدالت، امانت لائے گا تو یہی چیزیں حاصل ہوں گی گویا حاکم

عادل وامین ہے تو رعایا بھی امین ہوگی، اگر حاکم فاسق اور فاجر ہوگا تو رعایا بھی اس کے رنگ میں رنگی جائے گی۔ عربی کی ضرب المثل اس معنی میں معروف ہے کہ الناس علی دین ملو کھم لوگوں کا وہی دین اور چال چلن ہوگا جو حاکم کا ہوگا۔ مورخین نے لکھا ہے: کہ ولیدؒ بن عبدالملک کے زمانہ میں لوگ جمع ہوتے تو عمارتوں اور طرز تعمیر کی بات چیت کرتے، اس لئے کہ ولیدؒ کا یہ ذوق تھا اور اس کا پورے ملک پر اثر تھا۔ سلیمانؒ بن عبدالملک کھانوں کا بڑا شائق تھا۔ اس کے زمانے میں مجلسوں کا موضوع سخن یہی تھا۔ لیکن عمرؒ بن عبدالعزیز کا دور عبادات وطاعات کا تھا تو مجلسوں کا بھی یہی موضوع بن گیا، جہاں بھی چار آدمی جمع ہوتے تو ایک دوسرے سے پوچھتے کہ رات کے معمولات کیا ہیں، کتنا قرآن یاد ہے، قرآن کب ختم ہوگا، اور مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو۔

ایران فتح ہوا تو اس کا مال غنیمت تقسیم ہوکر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا، اس میں شاہ ایران کا تاج بھی تھا جو سونے کی تاروں سے بنا ہوا تھا، سونے کے کنگن بھی اور قیمتی پیٹی بھی، جس پر لعل وجواہر جڑے ہوئے تھے، سیدنا فاروقؓ یہ سارا سامان چھڑی سے الٹا پلٹا کر دیکھ رہے تھے، اسی دوران انہوں نے حاضرین کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: جو لوگ یہ مال غنیمت لائے ہیں بہت بڑے امین ہیں، کہ ایک موتی بھی اپنی جگہ سے نہیں سرکا۔ حضرت علیؓ پاس کھڑے تھے فرمانے لگے: امیر المومنین آپ امین ہیں تو آپ کی رعیت بھی امین ہے، اس لئے حکومتی مناسب کے انتخاب میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے، اور حاکم یا عامل کا یہ عہدہ امانت ہے، حصول زر اور جلب منفعت کا ذریعہ نہیں، حضرت معقلؓ بن یسار سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ رعیت دے، اور وہ اپنی رعیت سے خیانت کرے، اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام قرار دی ہے۔

(صحیح مسلم: ج ۲ ص ۱۲۲)

امانت ایک وسیع لفظ ہے

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ امانت کا اطلاق ان تمام حقوق اللہ پر ہوتا ہے جن کا پورا کرنا واجب ہے، جیسے نماز، زکوۃ، روزہ، نذر اور ادائیگی کفارہ وغیرہ اور ان حقوق العباد

پر بھی جو باہم ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ص ۶۸۵ ج۱) ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں: الأمانة ما أمروا به ونهوا عنه ۔ کہ تمام اوامر ونواہی امانت ہیں۔

حضرت عبدؓاللہ بن مسعود نے فرمایا ہے کہ:

الصلاة امانة والوضوء أمانة والوزن أمانة والكيل أمانة و أشد ذلك الودائع (احمد، صحیح الترغیب: ص ۳۳۳ ج ۲)

نماز امانت ہے وضو امانت ہے، ماپ وتول امانت ہے، اور سب سے زیادہ وہ چیز جو کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھی جائے۔

ماپ تول میں خیانت اور بددیانتی کے نتیجہ ہی میں ایک قوم ہلاک ہوئی، حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ

يا معشر التجّار اِنكم وليتم امرا هلكت فيه الامم السالفة

اے تاجرو! تمہیں ایسا کام سپرد کیا گیا ہے کہ جس میں (خیانت کے نتیجہ میں) پہلی امتیں ہلاک ہوگئیں۔

اللہ سجانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ ﴾ (الاعراف: ۸۵) لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو، گویا جب وہ چیز کی قیمت دے چکیں تو وہ چیز ان کی ہے، اب وہ تمہاری نہیں، اس میں کمی کروگے تو یہ خیانت ہوگی۔ اسی طرح وہ تمام حقوق جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں ان کو پورا نہ کرنا بھی بددیانتی ہے۔

حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک ایمان کی بنیاد اور اس کی فروعات یہ ہیں کہ:

اصل اِيما ن عندنا وفرعه الشهادة با لتوحيد و بعد الشهادة للنبى بالبلاغ وبعد اداء الفرائض صدق الحديث و حفظ الأمانة و ترك الخيانة ووفاء بالعهد وصلة الرحم و النصيحة لكل مسلم (شعب الایمان)

ہمارے نزدیک ایمان کی بنیاد اور اس کی فرع یہ ہے کہ توحید کی شہادت، اس کے بعد تبلیغ نبوی کی شہادت کہ آپ نے دین مکمل پہنچا دیا، اور فرائض کی ادائیگی کے بعد، سچ بولنا، امانت کی حفاظت کرنا، خیانت نہ کرنا، وعدہ پورا کرنا، صلہ رحمی کرنا اور ہر مسلمان کے

ساتھ خیر خواہی کرنا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن اسد نے کہا: کہ حضرت کیا یہ محض آپ کی رائے ہے یا اس بارے میں آپ نے کچھ سنا ہے، تو انہوں نے فرمایا: **لا بل سمعناه وتعلمناه من أصحابنا.** نہیں بلکہ ہم نے یہ باتیں اپنے اصحاب سے سنیں اور ان سے سیکھی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امانت کا تعلق مالی حقوق ہی سے نہیں، دین کے تمام حقوق کی پاسداری امانت ہے، اسی معنی میں فرمایا گیا ہے کہ

﴿ **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ** ﴾(الاحزاب ۷۲)

کہ ہم نے امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا (کہ وہ اطاعت و فرمانبرداری اور احکام و فرائض کا بار اپنے ذمہ لیں اور ان کے بجالانے پر اجر و ثواب پائیں اور خلاف ورزی پر عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔) مگر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔

اس نے یہ ذمہ داری پوری کرنے کا اقرار کیا، مگر آج کتنے ہیں جو اس سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں، جنہیں اس ذمہ کا احساس تھا وہ تمام تر فرمانبرداری کے باوصف فرماتے ہیں: کاش میں درخت ہوتا، کوئی اونٹ اپنا لقمہ بنالیتا، کاش میں پرندہ ہوتا، پرندہ کی طرح کھاتا اڑتا اور پھر مرجاتا اور مجھ سے حساب نہ لیا جاتا۔

مجالس بھی امانت ہیں

کسی مجلس میں کوئی بات کی جائے اور اہل مجلس میں اس کے افشانہ کرنے کا عہد ہو تو اسے افشا کرنا خیانت ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المجالس بالأمانة اِلَّا ثلاثة مجالس سفک دم حرام أو فرج حرام أو اقتطاع مال بغير حق.

(ابوداود: ص ۴۱۸ ج ۴، ضعیف الترغیب: ج۲ ص ۲۷)

کہ مجالس امانت کے ساتھ ہیں، مگر تین موقعوں پر، کسی کے ناحق قتل کی، یا کسی کی آبروریزی کی، یا کسی کا مال ناجائز طور پر لینے کی سازش۔

کسی مجلس میں ان تینوں میں سے کسی ایک کی سازش ہو تو متعلقہ لوگوں کو خبر دار کر دینا چاہیے، اس کا اظہار بد دیانتی نہیں، بلکہ خیر خواہی اور اصلاح ہے۔

حضرت جابرؓ ہی سے یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اذا حدَّث الرجل بالحديث ثم التفت فهي امانة. (ابوداود، ترمذی: ج۳ص ۱۳۳، احمد: ج۳ص ۳۲۴، صحیح الترغیب: ج۲ص ۴۵۴)

جب کوئی کسی سے بات کر رہا ہو اور بات کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتا ہو کہ کوئی سن تو نہیں رہا، تو یہ بات امانت ہے اور ایسی بات کا اظہار خیانت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ راز کی کوئی بات اس وقت ہی راز نہیں ہوتی جب اس کے بارے میں بتلایا جائے کہ یہ راز ہے، یا اسے ظاہر نہ کیا جائے، بلکہ وہ بات بھی راز ہے جو دوسرے سے بچتے ہوئے کسی سے کرتا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ پہلے حضرت خنیسؓ بن خزاعہ کے عقد میں تھیں، غزوہ بدر میں حضرت خنیسؓ شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی، مگر وہ خاموش رہے، اور فرمایا: کہ ابھی میرا کوئی ارادہ نہیں، اس کے بعد یہی پیشکش حضرت عمرؓ نے اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکرؓ سے کی، تو وہ بھی خاموش رہے، جس کا حضرت عمر کو رنج ہوا، اور سارا قصہ آنحضرت ﷺ سے بیان کر دیا، آپ نے فرمایا: حفصہؓ کی شادی اس سے ہو گی جو عثمانؓ سے بہتر ہے، اور عثمانؓ کا نکاح اس سے ہو گا جو حفصہؓ سے بہتر ہے، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود حضرت حفصہؓ سے نکاح کر لیا، اور حضرت عثمانؓ کا اپنی لخت جگر ام کلثومؓ سے نکاح کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا آپ کو میری خاموشی سے رنج ہوا تھا؟ میری خاموشی کا سبب یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہؓ کا ذکر مجھ سے کر چکے تھے، اور میں،

لم اكن لافشي سر رسول الله صلى الله عليه وسلم ولو تركها لنكحتها

رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اگر آپ حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور ان سے نکاح کر لیتا۔ (بخاری: ج ۲ ص ۸۶۸)

یہ قصہ حضرت ابوبکرؓ کی کمال وفاداری اور آپ ﷺ کے راز دان ہونے کی روشن دلیل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے خادم حضرت انسؓ کو کسی کام کے لئے بھیجا وہ فرماتے ہیں کہ میں واپس آیا تو آپ ﷺ میرے انتظار میں تھے۔ آپ سے رخصت ہو کر گھر والدہ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے دیر سے آنے کا سبب پوچھا۔ میں نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک کام کے لئے بھیجا تھا اس لئے آنے میں دیر ہوگئی والدہ نے پوچھا وہ کیا کام تھا میں نے کہا: کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے راز کی بات تھی، تو انہوں نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ کے راز کو چھپائے رکھو۔ (الادب المفرد: ص ۲۹۲، ۲۹۷)

بیوی بھی امانت ہے

میاں بیوی کا رشتہ انتہائی مقدس ومحبت کا رشتہ ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: کہ دنیا کا بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ ماں باپ اپنی لخت جگر کو پال پوس کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق اللہ کے سہارے ایک مرد جو بسا اوقات اجنبی بھی ہوتا ہے، کے سپرد کر دیتے ہیں، اب خاوند کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے حقوق وضروریات کی پاسداری کرے۔ اس اعتبار سے ماں باپ گویا اپنی بیٹی کو خاوند کی امانت میں دے دیتے ہیں، اس بات کا اظہار آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے عظیم الشان خطبہ میں عورتوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فاتقوا اللّٰہ فی النسآء فانکم اخذتموھن بامان اللّٰہ

(مسلم: ج ۱ ص ۳۹۷ وغیرہ)

اپنی عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو تم نے انہیں اللہ کی امان سے اپنے قبضہ میں لیا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ بأمانۃ اللّٰہ اللہ کی امانت سے اپنے قبضہ میں لیا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کے ملاپ کی کوئی بات کسی سے کہنا جہاں بدترین بے حیائی پر مبنی

ہے، وہاں بہت بڑی امانت میں خیانت بھی ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِن أعظم الأمانة عندالله يوم القيامة الرجل يفضى اِلى امرأته و تفضى اِليه ثم ينشر سرها . (مسلم: ج ا ص ۴۶۴)

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بڑی امانت یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کی طرف پہنچے اور عورت اپنے خاوند کی طرف پہنچے، پھر اس کا بھید ظاہر کرے، یعنی لوگوں سے یہ بیان کرے: کہ میں نے اتنی بار جماع کیا یا اتنی دیر جماع کیا وغیرہ۔

میاں بیوی کے مابین یہ باتیں امانت ہیں، جن کا اظہار بددیانتی ہے۔ اور ایک روایت میں اس کے مرتکب کو بدترین انسان قرار دیا گیا ہے، اور مسند احمد میں حضرت اسماءؓ بنت یزید کی روایت میں ہے کہ جو مرد یا عورت آپس کے اس راز کا افشا کرتا ہے اس کی مثال شیطان کی ہے، جو شیطانہ سے اس حالت میں جماع کرتا ہے کہ لوگ ان کی طرف دیکھتے ہوتے ہیں۔ (الترغیب: ص ۸۶ ج ۲)

اولاد بھی امانت ہے

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ جو اولاد عطا فرماتے ہیں وہ بھی امانت ہے، ان کی پرورش اور ان کی تربیت و تعلیم کا اہتمام کرنا والدین کی ذمہ داری ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

والصبى أمانة عند والديه و قلبه الطاهر جوهرة نفيسة فاِن عوّد الخير و عُلمه نشأ عليه سعد فى الدنيا والآخرة وان عُوّد الشر وأهمل اِهمال البهائم شقى وهلك و صيانته بأن يؤدبه ويعلمه محاسن الأخلاق.

(تربية الأولاد: ص ۱۵۲ ج ۱)

بچہ والدین کے ہاں امانت ہے، اس کا پاکیزہ دل نفیس جوہر ہے، اگر اسے خیر کا عادی بنایا جائے اور خیر و بھلائی کی تعلیم دی جائے تو اسی پر وہ پروان چڑھے گا، اور دنیا و آخرت میں سعادت مند ہوگا، اور اگر اسے شر و فساد کا عادی بنایا جائے، اور چار پاؤں کی طرح اسے آزاد چھوڑ دیا جائے، تو وہ بدنصیب بنے گا، اور ہلاک ہو جائے گا، اس کو بچانا

اور محفوظ کرنا یہ ہے کہ اس کو ادب وتہذیب سکھلائی جائے، اور حسن اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

گھروں میں جھانکنا خیانت ہے

اسلام دوست واحباب اور عزیز واقارب سے میل ملاقات کا حکم دیتا ہے اور اجازت لے کر ان کے گھروں میں جانے کی بھی اجازت دیتا ہے، مگر ان کے گھروں میں جھانکنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر فرماتے ہیں کہ: "مِن تضیع الأمانة النظر فی الدور" امانت کے ضیاع میں سے یہ ہے کہ گھروں میں جھانکا جائے۔

آنحضرت ﷺ کا اس بارے معمول یہ تھا:

کان رسول الله ﷺ اِذا أتی باب قوم لم یستقبل الباب عن تلقآء وجهه ولکن من رکنه الأیمن او الا یسر یقو ل السلا م علیکم السلا م علیکم (أبو داود: ج۴ص ۵۱۲،الا دب المفرد: ص۲۷۷وغیرهما)

رسول اللہ ﷺ جب کسی کے دروازے پر تشریف لے جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ اس کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور السلام علیکم، السلام علیکم کہتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا جب کسی دوست یا عزیز کے ہاں جایا جائے تو گھر کے دروازے کے بالکل سامنے نہیں، بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے، اور السلام علیکم کہہ کر اندر آنے کی اجازت لینی چاہیے، حضرت سعدؓ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اندر گھر میں آنے کی اجازت طلب کی، تو آپ نے فرمایا: ایک طرف ہو کر کھڑے ہونا چاہیے (مجمع الزوائد ص ۴۳ ج ۸) حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے دروازے کے ایک سوراخ سے اندر جھانکا آپ کے ہاتھ میں کنگھی نما کوئی لکڑی تھی جس سے سر کے بال درست کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

لوأعلم اِنک تنظر طعنت به فی عینک اِنّما جعل الِاذن من أجل

البصر (بخاری ج۲ص ۹۲۲ ومسلم ج۲ص ۲۱۲)
اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں اسے تیری آنکھ میں دے مارتا، اجازت تو آنکھ ہی کی بنا پر طلب کی جاتی ہے۔

اگر آنکھ سے گھر کے اندر دیکھ ہی لیا تو پھر اجازت کے کیا معنی؟ بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے گھر کے اندر دیکھے اور اہل خانہ کنکری اٹھا کر اسے دے ماریں، جس سے اس کی آنکھ زخمی ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (بخاری: ج۲ص ۱۰۲۰ و مسلم: ج۲ص ۲۱۲) بلکہ صحیح مسلم اور مسند احمد میں ہے، اہل خانہ کیلئے جائز ہے کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں اور ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

من اطّلع فی بیت قوم بغیر اذنهم ففقؤوا عینه فلا دية له و لا قصاص. (نسائی، صحیح الترغیب: ج۳ص ۳۵)

کہ جو شخص کسی کے گھر بغیر ان کی اجازت دیکھتا ہے اور اہل خانہ اس کی آنکھ پھوڑ دیتے ہیں تو اس کی نہ ہی دیت ہے اور نہ ہی قصاص۔

غور کیجئے اگر ظالم کسی کی ایک آنکھ نکال دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور قصاص میں اس کی آنکھ نکال لی جائے گی، یا اس سے پچاس اونٹ یعنی نصف دیت وصول کی جائے گی، لیکن اگر یہی آنکھ دیانت وامانت کا مظاہرہ نہیں کرتی، کسی کے گھر داخل ہو جاتی ہے، تو اس کی قدر ومنزلت ختم ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے اگر کوئی ہاتھ ربع دینار یعنی ایک چوتھائی دینار کے برابر چوری کرے تو اسے کاٹ دینے کا حکم ہے، لیکن اگر کوئی کسی کا ہاتھ ظلماً کاٹے تو اس سے نصف دیت وصول کی جائے گی، اسلام معاشرے کو امن وسکون اور امانت ودیانت کا گہوارہ بناتا ہے جو اس میں رخنہ اندازی کی کوشش کرتا ہے، اسے ناسور کی طرح کاٹ دینے کا حکم دیتا ہے۔ گھر تو بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اہل خانہ کی جان و مال اور عزت اس میں محفوظ رہے، اگر کوئی باہر سے گھر کے اندر کا نظارہ کرتا ہے اور پردہ نشین عورتوں کے لئے پریشانی کا موجب بنتا ہے تو اسلام اس کی آنکھ کی ضمانت نہیں دیتا۔

آنکھوں سے اشارے بھی امانت کے منافی ہیں

کسی مسلمان بھائی کے گھر میں جھانکنا ہی خیانت نہیں، بلکہ مجلس میں آنکھوں سے اشارے بھی امانت کے منافی ہیں، چنانچہ فتح مکہ کے روز جن رؤسائے کفار کو قتل کرنے کا حکم تھا، ان میں سے ایک عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح بھی تھا۔ عبداللہؓ بن سعد، حضرت عثمانؓ کے ہاں چھپا ہوا تھا انہوں نے بچ بچا کر اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لا کھڑا کیا، اور عرض کی یارسول اللہ اس کی بیعت لے لیجئے۔ آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا، اور اس کی طرف تین دفعہ دیکھا۔ (وہ ہاتھ بڑھتا مگر) آپ ہر بار انکار کر دیتے پھر آپ نے بیعت قبول کر لی، اس کے بعد رسول اللہ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم میں سے کوئی بھی سمجھ دار نہیں تھا کہ جب میں نے اس کی بیعت سے اپنا ہاتھ روکا تو وہ اسے قتل کر دیتا، صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ہمیں آپ کے دل کا حال تو معلوم نہیں تھا آپ ہماری طرف اپنی آنکھ سے اشارہ کر دیتے آپ نے فرمایا کہ

اِنّه لا ینبغی لنبی أن تکون له خآئنة الأعین

بے شک کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کی آنکھیں خیانت کرنے والی ہوں۔ (ابوداؤد: ج۴ص۲۲۵)

اس لئے اپنا کام نکالنے کے لئے آنکھوں سے ایسے اشارے بھی خیانت ہیں، جن سے عموماً اہل مجلس غافل ہوں، اسلام سیدھا سادہ دین ہے اور صاف ستھرے طرز معاشرت کی تلقین کرتا ہے۔ وہ اس قسم کے انداز کو بھی پسند نہیں کرتا جس میں خیانت کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَآءِ وَ لِسَانِیْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِیْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ .

(الدعوات الکبیر رقم ۲۲۷، واسنادہ ضعیف)

اے اللہ! میرا دل نفاق سے میرا عمل ریا سے، میری زبان جھوٹ سے اور

میری آنکھیں خیانت سے پاک کردے، بے شک آپ خیانت والی آنکھ کو اور سینہ میں پوشیدہ بات کو جانتے ہیں۔

امانت اور چند ایمان افروز واقعات

۱۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر کے غلام حضرت نافعؒ کا بیان ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے باہر تھے، ساتھیوں نے کھانا تیار کیا دسترخوان پر لگایا، ہم کھانے لگے تو وہاں ایک چرواہا گزرا، اس نے سلام کیا تو حضرت ابن عمرؓ نے اسے بھی کھانے کی دعوت دی، مگر اس نے کہا: کہ میرا روزہ ہے، حضرت ابن عمرؓ متعجب ہوئے کہ سخت گرمی میں روزہ اور ساتھ بکریاں بھی چرا رہے ہو، تو اس نے کہا: اللہ کی قسم میں اپنے فراغت کے ایام کو غنیمت جانتا ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کا امتحان لینا چاہا، اس سے فرمایا اپنی بکریوں میں سے ایک بکری ہمیں فروخت کردو، ہم اس کا گوشت بھی تمہیں دیں گے، اس سے تم اپنا روزہ افطار کرلینا۔ اس نے کہا **اِنّھا لیست لی غنم اِنّھا غنم سیدی** ۔ یہ بکریاں میری نہیں بلکہ میرے سردار کی ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: امید ہے کہ ایک بکری کے گم ہوجانے کی تمہارا سردار کوئی پرواہ نہیں کرے گا، تو کہہ دینا: بکری بھیڑیا لے گیا تھا، اس نے کہا **فَأَیْنَ اللّٰہ** پھر اللہ کہاں ہے؟ وہ بلند آواز سے یہ کہتا اور آسمان کی طرف اشارہ کرتا، حضرت ابن عمرؓ جب واپس مدینہ طیبہ آئے، اس چرواہے کے مالک کو ملے، اس سے اسے مع بکریوں کے خرید کر آزاد کردیا اور بکریاں اس کو ہبہ کردیں۔

(طبرانی، بیہقی فی الشعب، السیر: ج ۳ ص ۲۱۶)

۲۔ حضرت جابرؓ بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صاحب اپنی بیوی بچوں کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے باہر الحرہ مقام پر ٹھہرا، ایک شخص آیا اور اس نے کہا: میری اونٹنی گم ہوگئی ہے، اگر مل جائے، تو پکڑ لینا، چنانچہ اونٹنی اس صاحب کو مل گئی، لیکن اونٹنی کا مالک اسے نہ ملا، اسی اثناء میں اونٹی بیمار ہوگئی، اس کی بیوی نے کہا: کہ اس کو ذبح کرو، لیکن خاوند نہ مانا، چنانچہ اونٹنی مرگئی، بیوی نے کہا: کہ اس کی کھال اتارو، ہم اس کا گوشت اور چربی

پکا کر کھائیں گے، اس نے کہا جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کرلوں (اس وقت تک مردار کھا نہیں سکتے) چنانچہ اس نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اس بارے سوال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تمہارے پاس کچھ ہے جس سے تمہارا گزر ہو سکے، اس نے کہا نہیں، تب آپ نے فرمایا: تم کھا سکتے ہو۔ کچھ عرصہ بعد اس اونٹنی کا مالک آیا، تو اس نے سارا قصہ کہہ سنایا، اس نے کہا: تم نے اسے ذبح کیوں نہ کرلیا، اس نے کہا: تم سے مجھے حیا آتی تھی۔ (ابوداؤد مع العون: ص۴۲۲ ج۳)

غور فرمایئے، یہ مرد مومن فقر و فاقہ کے باعث مردار کھانے پر مجبور، مگر مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کرنے سے اسے حیا مانع رہی، کہ اس نے تو مجھے اونٹنی پکڑ لینے کا کہا، کسی اور اقدام کی اجازت نہیں دی۔

۳۔ امام عبداللہؒ بن مبارک کا شمار کبار محدثین میں ہوتا ہے، امام سفیانؒ بن عیینہ کا فرمان ہے: کہ میں نے صحابہ کرامؓ کے معمولات کو دیکھا، مگر مجھے سوائے شرف صحبت اور آپ کی معیت میں جہاد کرنے کے اور کوئی عمل ایسا نظر نہیں آیا، جو انہوں نے کیا ہو اور ابن مبارکؒ اس سے پیچھے رہے ہوں۔ (التھذیب: ج ۱ ص ۳۸۵) اس ایک قول سے ان کی جلالت شان کا اندازہ لگایا جا سکتا، انہی کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ملک شام میں کسی ساتھی سے قلم عاریۃ لیا، اسے واپس کرنا یاد نہ رہا، تو وہ اپنے وطن مرو میں لے آئے، جب یاد آیا تو پھر ملک شام میں وہ قلم واپس دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ (التھذیب: ج ۵ ص ۳۸۷، بستان المحدثین: ص۱۰۳)

۴۔ امام عبداللہ بن مبارک کے والد مبارکؒ بن واضح بھی بڑے متقی اور پرہیز گار تھے اور ایک ترک تاجر کے غلام تھے ان کے بارے میں لکھا ہے، کہ ان کے مالک نے انہیں اپنے باغ کا نگران مقرر کر رکھا تھا، ایک دن اس نے کہا: اے مبارک! باغ سے ایک ترش انار لے آؤ، وہ گئے، اور ایک انار لائے جو شیریں نکلا، مالک نے کہا میں نے تم کو ترش انار لانے کے لئے کہا تھا، انہوں نے جواب دیا کہ میں کس طرح معلوم کر سکتا ہوں کہ کون سے درخت کے انار شیریں ہیں اور کون سے درخت کے ترش؟

جس کسی نے ان کو کھایا ہے وہی جانتا ہے، مالک نے کہا آپ نے اب تک کوئی انار نہیں کھایا؟ انہوں نے فرمایا: آپ نے میرے ذمہ باغ کی حفاظت اور نگہبانی لازم کی ہے، کھانے اور چکھنے کی اجازت نہیں دی، میرے ذمہ جو خدمت لازم ہے اسے ہی بجالاتا ہوں، مالک ان کی اس دیانت وامانت پر نہایت خوش ہوا، اور کہا: کہ تم اس قابل ہو کہ میری مجلس میں رہو، اور باغبانی کسی دوسرے کے سپرد کردی۔ ایک روز مالک نے اپنی نوجوان بیٹی کے نکاح کے بارے میں ان سے مشورہ کیا تو مبارک نے فرمایا: جاہلیت کے عرب تو اپنی لڑکی کا نکاح حسب ونسب کے اعتبار سے کرتے تھے، یہود مال کے عاشق ہیں اور نصاریٰ حسن و جمال پر فریفتہ ہوتے ہیں، مگر اسلام میں دین کا اعتبار ہے، ان چاروں میں سے جو پسند خاطر ہو اس پر عمل کریں، مالک کو ان کی یہ عاقلانہ بات پسند آئی گھر جا کر بیوی سے یہ مشورہ ذکر کیا اور کہا: کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی لڑکی کا نکاح مبارک سے کردوں اگر چہ وہ غلام ہے مگر پرہیزگاری' تقوی اور دینداری کے اعتبار سے اپنے زمانہ کا سردار ہے، بیوی نے اسے پسند کیا تو بیٹی کا نکاح حضرت مبارکؒ سے کردیا، اسی لڑکی کے بطن سے امام عبداللہؒ پیدا ہوئے، اور اس تاجر کی وراثت سے بہت سا مال ان کو ملا۔ (بستان المحدثین)

امام سفیان ثوریؒ سے زمانہ واقف ہے، تفسیر، حدیث، فقہ، زہد و ورع، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پاسبان تھے امام شعبہؒ فرماتے: کہ وہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں، حکومت وقت کے ساتھ اختلاف ہوا تو کوفہ سے بصرہ کا رخ کیا، وہاں ایک باغ میں مزدوری کرلی عشر وصول کرنے والے حاکم کے نمائندے وہاں پہنچے، تو انہوں نے امام سفیانؒ سے پوچھا، آپ کہاں کے رہنے والے ہیں، امام صاحبؒ نے فرمایا: کوفہ کا، انہوں نے کہا: بصرہ کی رطب تازہ کھجور میٹھی ہے یا کوفہ کی؟ تو امام سفیانؒ نے جواب دیا، میں نے بصرہ کی رطب نہیں چکھی، انہوں نے کہا: تم کس قدر جھوٹی بات کرتے ہو، تمام نیک و بد تازہ کھجوریں کھاتے ہیں، مگر تمہیں اس کا علم نہیں، وہ وہاں سے نکلے تو اپنے عامل کو جا کر یہ بات بتلائی، اس نے کہا: اگر تم سچ کہتے ہو تو وہ سفیان ثوریؒ ہوں گے، بھاگو انہیں پکڑو تاکہ خلیفہ کے ہاں سرخرو ہوں، چنانچہ وہ وہاں پہنچے، مگر امام سفیانؒ وہاں

سے جا چکے تھے۔ (السیر :ص۲۵۹ ج ۷)

اندازہ کیجئے، باغ کی مزدوری میں اس کی کھجور تک نہیں چکھی، کہ مزدور کی ذمہ داری باغ کی حفاظت ہے کھجوریں کھانا نہیں۔

اسی نوعیت کا ایک واقعہ علامہ الذھبیؒ نے امام ابراہیمؒ بن ادھم کے بارے میں نقل کیا ہے، کہ شام میں وہ ایک باغ کی حفاظت پر مامور تھے، ایک روز ان سے کہا گیا: کہ انار لائیں، تو آپ انار لے آئے، مگر وہ ترش نکلے، ان سے کہا گیا: کہ آپ ہمارے باغ کا پھل کھاتے ہیں، مگر تا حال آپ کو یہ معلوم نہیں کہ میٹھے انار کا درخت کونسا ہے اور ترش کا کونسا، امام ابراہیمؒ نے فرمایا: واللہ ما ذقتھا اللہ کی قسم میں نے انہیں نہیں چکھا۔ (السیر : ص ۳۹۶ ج ۷)

۵۔ امام ابوالفتحؒ محمد بن عبدالباقی المتوفی ۵۶۴ جن کا لقب مسند عراق تھا، خود ان کا بیان ہے کہ میں مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھا، ایک دن یہ صورت پیش آئی کہ کھانے کے لئے میرے پاس کچھ نہ تھا، بھوک سے حالت نڈھال ہوتی چلی گئی، اسی حال میں جا رہا تھا کہ سامنے ایک بٹوا راستہ میں ملا، یہ بٹوا ریشم کا تھا، اور ریشم کی ڈوری سے بندھا ہوا تھا، اپنے مکان پر لا کر جب کھولا تو دیکھا موتیوں کا ہار اس میں رکھا ہوا ہے ایسے موتی میں نے زندگی میں نہیں دیکھے تھے، میں نے اسی حال میں اسے رکھ دیا، مکان سے باہر نکلا، تو ایک شخص پکار رہا تھا، میرا بٹوا جس میں موتیوں کا ہار تھا گم ہو گیا ہے، جو صاحب اس کا پتہ دیں گے ان کو پانچ سو اشرفیاں بطور انعام دوں گا، یہ دیکھ کر میں نے اس کو بلایا، اور اسے ساتھ لیکر مکان پر آیا، اس سے بٹوا کے ڈورے اور موتیوں کی تعداد وغیرہ دریافت کی اس نے جو کچھ بتایا، اس بٹوے اور ہار میں ساری علامتیں پائی جاتی تھیں، تب میں نے وہ بٹوا اس کے حوالے کر دیا، وہ بڑا ممنون ہوا، اور حسب وعدہ پانچ صد اشرفیاں مجھے دینے لگا، مگر میں نے شکریہ کے ساتھ وہ واپس کر دیں، اس نے اصرار کیا، تو بھی میں نے لینے سے انکار کر دیا' امام محمدؒ بن عبدالباقی کی امانت و دیانت کی یہ داستان تو خیر معمولی قصہ ہے، وہ چاہتے تو موتیوں کے اس ہار کو دبانے کے لئے فقہی حیلوں کا سہارا لے سکتے تھے، مگر انہوں نے تو پانچ سو

اشرفیاں بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا، معلوم یوں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل بہت پسند آیا، جس کے نتیجہ میں کیا ہوا، اصل سبق آموز داستان یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ خود شیخ موصوف کا بیان ہے کہ کچھ روز بعد میں مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا، کشتی پر سوار ہو کر جا رہا تھا، کہ سمندر میں طوفان اٹھا، کشتی ٹوٹ پھوٹ گئی، اکثر مسافر ڈوب گئے، میں ایک تختہ پر بیٹھ کر سمندر کے کنارے ایک جزیرہ میں پہنچ گیا، وہاں لوگوں کے پاس گیا، وہ مسلمان تھے، وہاں مسجد میں جا ٹھہرا، نمازی نماز کے لئے آئے، تو مجھ سے حال دریافت کیا، جو گزری تھی بیان کی لوگ مجھ سے مانوس ہو گئے، انہوں نے مجھ سے پڑھنا شروع کر دیا، انہیں معلوم ہوا کہ میں لکھنا بھی جانتا ہوں، تو وہ اپنے بچوں کو لیکر میرے پاس آئے کہ انہیں لکھنا سکھائیں، وہ مجھ سے اس قدر مانوس ہوئے کہ میری شادی کی فکر کرنے لگے۔ چنانچہ وہ میرے پاس آئے اور کہا: کہ ہمارے یہاں ایک مالدار یتیم لڑکی ہے، تم سے بہتر اور کوئی شوہر نہیں ہوسکتا، اس لئے ہماری رائے ہے کہ اس لڑکی سے آپ نکاح کرلیں، بالآخر اس لڑکی سے عقد نکاح ہو گیا، جب خلوت میں بیوی سے ملا تو میری حیرت کی انتہا ہو گئی، کہ موتیوں کا وہ ہار جو بٹوا میں ملا تھا وہ بعینہٖ اس کے گلے میں ہے، میں نے اس ہار کے بارے میں پوچھا، تو اس نے بتلایا کہ وہ اس حاجی کی بیٹی ہے جس کا ہار گم ہو گیا تھا، اس نے واپس گھر آکر ہار گم ہونے کا سارا قصہ ذکر کیا اور کہا جس شخص سے یہ ہار مجھے واپس ملا ایسا مسلمان میں نے دنیا میں نہیں دیکھا، کاش اس شخص سے میری دوبارہ ملاقات ہوتی تو اپنی لڑکی سے اس کا نکاح کر دیتا، مگر اسی دوران میں وہ فوت ہو گیا اس لڑکی کے علاوہ اس کی اور کوئی اولاد نہ تھی، وہی اس کی وارث ہوئی، شیخ فرماتے ہیں: کہ میری اس بیوی کے بطن سے اولاد بھی ہوئی بیوی انتقال کر گئی، کچھ دن بعد میرے وہ بچے بھی وفات پا گئے، اور یوں گھوم گھما کر یہ ہار میرے قبضہ میں آیا، جسے میں نے ایک لاکھ اشرفیوں سے فروخت کیا۔ شیخ فرماتے ہیں: کہ میرے پاس جو کچھ مال ومتاع ہے یہ اس ایک لاکھ دینار سے حاصل شدہ ہے۔

(ذیل طبقات الحنابلہ لابن رجب: ص ۱۹۶، ۱۹۸ ج ۱، شذرات الذهب: ص ۱۱۱ ج ۴)

یہ اور اسی نوعیت کے دوسرے واقعات سے ہمارے اسلاف کی امانت و دیانت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں امین اور دیانتدار بنائے۔

عہد کی پاسداری

فلاح وفوز حاصل کرنے والے اہل ایمان کا چھٹا وصف یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کی پاسداری کرتے ہیں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: کہ الأمانة اعم من العهد و كل عهد فهو أمانة (القرطبی: ج ۱۲ص ۱۰۸) کہ امانت، عہد سے عام ہے اور ہر عہد امانت ہے۔ عہد عموماً اس معاملے کو کہتے ہیں جو دو طرف سے لازم قرار دیا گیا ہو، جس کا پورا کرنا فرض اور اس کو توڑنا یا اس کی خلاف ورزی کرنا غدر اور دھوکہ ہے، جو حرام ہے، اس اعتبار سے اس کو "عقد" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا أَوۡفُوا بِالۡعُقُودِ ﴾ (المائدة: ۱)

اے ایمان والو عہد و پیمان پورے کرو

''عقود'' عقد کی جمع ہے جس کے معنی کسی چیز کے اطراف کو جمع کر کے باندھنے اور گرہ لگانے کے ہیں، اسی مفہوم میں میثاق کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، عہد و عقد یا میثاق کا اطلاق عموماً اس معاملے پر ہوتا ہے جو دو فریق آپس میں کرتے ہیں، اس میں وہ عہد بھی ہے:

۱۔ جو انسان اپنے اللہ تبارک وتعالیٰ سے کرتا ہے، اس میں وہ تمام احکام الٰہی آجاتے ہیں جن کا اللہ نے انسانوں کو مکلف ٹھہرایا ہے۔

۲۔ اور وہ بھی جو ایک انسان دوسرے انسان سے کرتا ہے، جس میں تمام معاملات، تجارت، نکاح، حتی کہ دو خاندان اور دو حکومتیں باہم آپس میں طے کرتی ہیں۔

۳۔ کبھی یہ عہد یک طرفہ ہوتا ہے مثلاً ایک انسان خود اپنے آپ پر ایک شے کو لازم قرار دے دیتا ہے، جیسے نذر و حلف، یا جیسے کوئی کسی کو کوئی چیز دینے کا وعدہ کرتا ہے، یا کسی کام کے کرنے کا عہد کرتا ہے، اسی قسم کا وعدہ پورا کرنا بھی ضروری ہے، اور بلا عذر شرعی اس کی خلاف ورزی گناہ ہے، دوسری اور تیسری قسم میں فرق یہ ہے کہ دوسری قسم میں عہد پورا کرنے پر بذریعہ عدالت مجبور کیا جاسکتا ہے، مگر تیسری قسم میں دیانتداری سے پورا کرنا لازم ہے، اور بلا عذر شرعی اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔

اللہ جل جلالہ وعدہ وفا کرتے ہیں

عہد و وعدہ پورا کرنا ہمیشہ سے ہر اچھے انسان کا شعار رہا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴾(آل عمران:۹)

بے شک اللہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

﴿ وَعۡدَ اللّٰہِ لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ ﴾ (الروم:۶)

اللہ کا وعدہ ہوا، اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

﴿ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِعَہۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ ﴾ (التوبۃ:۱۱۱)

اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے؟

اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو ذکر کرتے ہوئے اس کے بندے عرض کرتے ہیں۔

﴿رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ﴾ (آل عمران:۱۹۴)

اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا فرما جس کا آپ نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا ہے، بے شک آپ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔

وعدہ پورا کرنا ایمان کی علامت ہے

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور عہد کے سچے ہیں، اس طرح اس کے بندوں کی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ وعدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں، چنانچہ کامل مسلمانوں کے اوصاف اور اہل جنت کے خصائل بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ﴾(المعارج:۳۲)

کہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

اسی طرح اولوا الالباب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴾(الرعد : ۲۰)

کہ وہ اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں، اور عہد و میثاق کو نہیں توڑتے۔

نیکی کے کام کون سے ہیں؟ اس کی تفصیل بتلاتے ہوئے نیکی کے علمبرداروں کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ﴾ (البقرہ:۱۷۷)

جب عہد کریں اپنے عہد کو پورا کرنے والے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور وعدہ

حضرت سیدنا ابراھیم علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والسلام کے تذکرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى وَ اِبْرَاهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى ﴾

(النجم :۳۷)

کیا اسے ان باتوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں بیان ہوئی جس نے حق ادا کر دیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے احکام کی تبلیغ کی جو ذمہ داری ان پر ڈالی گئی تھی، اسے انہوں نے بکمال پورا کیا، اور اسی عہد و وفا کا نتیجہ تھا، کہ باپ کی تمام تر سختیوں کے باوصف جو اس سے فرمایا: ﴿ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ ﴾ (مریم:۴۷) میں تیرے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا۔ اس بات کو اس کی زندگی بھر پورا کرتے ہیں۔

﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ﴾(التوبہ: ۱۱۴)

اور جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا مانگی تھی تو یہ محض ایک وعدے کی وجہ سے تھی جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا، پھر جب ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ اس کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حسب وعدہ باپ کے لئے دعا کی جیسا کہ (الشعراء:

۸۶) میں بھی ذکر ہے مگر یہ اس وقت تک تھا جب انہیں امید تھی کہ ان کا باپ شرک سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائے گا، مگر جب وہ اس سے مایوس ہو گئے اور وہ کفر کی حالت میں فوت ہو گیا تو اس سے براءت کا اعلان فرما دیا، زندگی میں تو امید رہتی ہے کہ شاید توفیق ہدایت ہو جائے اس لئے باپ کی ہدایت ومغفرت کی دعا کرتے رہے، لیکن موت کے بعد اس کی امید نہ رہی تو دعا بھی چھوڑ دی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور وعدہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف میں بطور خاص فرمایا گیا ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴾ (مریم: ٥٤)

اور کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرو، وہ وعدے کے سچے تھے، اور رسول تھے، نبی تھے۔

گویا دوسرے اوصاف کے ساتھ ساتھ صادق الوعد کی صفت آپ کی غالب تھی، ان کی اسی صفت کا تقاضا تھا کہ جب انہوں نے وعدہ کیا کہ ذبح ہوتے صبر کروں گا، تو بے دھڑک زمین پر لیٹ گئے اور چوں تک نہ کی، مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا، حضرت اسماعیلؑ وہاں پہنچ گئے، مگر وہ شخص بھول گیا، اور حضرت اسماعیلؑ ایک دن اور ایک رات اس کا انتظار کرتے رہے، آئندہ روز وہ شخص وہاں آیا تو انہوں نے فرمایا: میں یہاں پرسوں سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ (قرطبی، ابن کثیر: ص ۱۷۰ ج ۳ وغیرہ)

بعض نے یہ مدت اس سے بھی زیادہ ذکر کی ہے۔ یہ مدت کتنی تھی اس سے قطع نظر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو وہ وعدہ کرتے وفا کرتے۔

وفائے عہد اور رسول اللہ ﷺ

عہد کی پاسداری اور وعدہ کو پورا کرنے کے حوالے سے امانت کی اہمیت کے ضمن میں حضرت انس ؓ حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت عبادۃ بن صامتؓ اور حضرت معاذؓ کی احادیث گزر چکی ہیں جن کے اعادہ کی ضرورت نہیں اسی طرح عہد و پیمان کے حوالے سے ہرقل کے دربار میں ابوسفیانؓ کی گواہی بھی آپ پڑھ آئے ہیں، کہ آپ نماز پڑھنے، صدقہ و خیرات کرنے، پاکدامنی اختیار کرنے، وعدہ وفا کرنے اور امانت کی پاسداری کا حکم فرماتے ہیں، ہرقل خود اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ:

"سالتک هل یغدر؟ فذكرت أن لا، كذلك الرسل لا تغدر"

میں نے تم سے پوچھا کہ کیا اس نے کبھی عہد کو توڑا ہے، تو تم نے کہا: بالکل نہیں، جو رسول ہوتا ہے غدر نہیں کرتا۔ (بخاری ج ا ص ۴)

عبداللہ بن ابی الحمساء کا بیان ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے لین دین کا معاملہ کیا تو میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ کل فلاں جگہ آپ سے ملوں گا، مگر میں بھول گیا، میں تیسرے روز آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ وہاں میرے انتظار میں تھے مجھے دیکھ کر فرمایا:

یافتی لقد شققت علي وأنا ههنا منذ ثلاث انتظرک.

(ابو داود: ص ۴۵۶ ج ۴ وفيه ضعف مكارم الأخلاق للخرائطي)

اے نوجوان! تو نے مجھے بڑی مشکل میں مبتلا کر دیا میں یہاں تین دن سے تیرے انتظار میں ہوں۔

امن و اطمینان اور صلح و آشتی کے زمانے میں ہر ایک عہد و میثاق کی پابندی کرتا ہے، اور جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے، مگر اختلاف اور لڑائی کی صورت میں انسان عہد شکن ہو جاتا ہے، اور وفائے عہد کا کوئی پاس نہیں کرتا، بلکہ جنگی اغراض کی خاطر بسا اوقات انسان چار پاؤں سے کہیں بڑھ کر وحشی اور درندوں سے زیادہ خونخوار بن جاتا ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا کمال ہے کہ اس میں ظاہر و باطن ایک ہے، جنگ و صلح میں بھی حالتیں یکساں ہیں، عہد و میثاق پر جس طرح زمانہ امن میں قائم تھے جنگ و جدال

کے سیلاب میں بھی اس پر قائم رہے، چنانچہ ۶ھ ہجری میں آپ ﷺ عمرہ کی نیت سے چودہ سو (۱۴۰۰) رفقاء کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، حدیبیہ کے مقام پر جو کہ جدہ سے مکہ کی طرف عین حد حرم پر ۲۲۔۲۳ کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے پہنچتے ہیں، تو کفار مکہ آگے بڑھ کر آپ کا راستہ روکتے ہیں جس کے نتیجہ میں جو معاہدہ ہوا وہ صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے، صلح کی شرائط یہ ہیں:

۱۔ آئندہ دس سال تک لڑائی موقوف۔

۲۔ اب کی بار واپس لوٹ جائیں، آئندہ آئیں تو لڑائی کے ہتھیار ساتھ نہ ہوں، تلوار ہو تو وہ میان میں بند ہو۔

۳۔ قریشی مسلمان ہو جائے تو عندالطلب واپس کرنا ہوگا، اور اگر تمہاری طرف سے کوئی ہمارے ہاں پلٹ آئے تو ہم واپس نہیں کریں گے۔

۴۔ دوسرے قبائل جس جس سے چاہیں معاہدہ کریں، ہمارے ساتھ یا آپ کے ساتھ۔

بظاہر یہ صلح بڑی عاجزانہ و مجبورانہ معلوم ہوتی ہے جس کا احساس صحابہ کرامؓ کو بھی تھا، حضرت عمرؓ کے جذبات کتب تاریخ میں معروف ہیں، آپ نے بھی فرمایا تھا: کہ کفار جو شرطیں پیش کریں گے ہم تسلیم کریں گے، بشرطیکہ شعائر اللہ کی ان میں توہین نہ ہو، تحریر کے وقت "**بسم الله**" کی جگہ "**باسمک اللهم**" اور "**مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ**" کی بجائے "**من محمد بن عبدالله**" کفار کے کہنے پر لکھا گیا، یہ بھی بظاہر اس کا مؤید ہے کہ آپ مجبور تھے، اور کفار نے آپ کو بے دست و پا کر دیا تھا، لیکن ایسا ہرگز نہیں، نہ آپ قوت میں کمزور تھے، اور نہ ہی آپ کو اپنے ساتھیوں پر کوئی بداعتمادی تھی ورنہ تخلف کی بیعت نہ لیتے، آپ کا فرمان تھا: کہ ہم قتال کے لئے نہیں آئے، بلکہ عمرہ کے لئے آئے ہیں، قریش کو مسلسل لڑائی نے کمزور کر دیا ہے، اگر وہ چاہیں تو ایک مدت تک صلح کر سکتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ کے الفاظ ہیں:۔ **اِنّا لم نجئ لقتال أحد ولكنّا جئنا معتمرين وانّ قريشا قد نهكتهم الحرب واضرت بهم فان شاؤا ماددتهم مدة.** (بخاری کتاب الشروط: ص ۳۲۹ ج ۵ الفتح) اور سیرت ابن ہشام (ص ۲۲۶ ج ۲ مع الروض) کے الفاظ ہیں: **ويح قريش لقد اكلتهم الحرب.** اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو

نہیں بلکہ کفار کو کمزور سمجھتے ہیں، آپ نے اپنے سے کمزور کے ساتھ صلح کر کے صلح کے سلسلے میں ایسی مثال پیش کی جس کی نظیر مشکل ہے، پھر جن شروط پر صلح کی اس پر پورے اترے، صلح کے لئے کفار کی طرف سے سہیل بن عمرو آیا تھا، اور اس کا بیٹا ابو جندلؓ مسلمان ہو چکا تھا، عین اس وقت جب صلح نامہ لکھا جا رہا تھا، تو ابو جندلؓ گھر سے بھاگ کر حدیبیہ پہنچے، حال یہ تھا کہ بیڑیاں اور ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں، باپ سہیل نے دیکھا تو تھپڑ رسید کیا اور گریبان سے پکڑ کر گھسیٹنے لگا اور آنحضرت ﷺ سے کہنے لگا شرط کے مطابق اسے واپس کرو آپ نے فرمایا: میری وجہ سے اجازت دے دو، سہیل کے ساتھی مکرز بن حفص نے بھی کہا اجازت دے دو، مگر سہیل نہ مانا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ابو جندلؓ واپس لوٹ جاؤ، عرض کرتا ہے حضور میں بڑی سخت تکالیف میں مبتلا رہا دوڑ کر یہاں آیا ہوں کیا آپ پھر مجھے دشمن کے حوالے کر دیں گے، آپ نے فرمایا:

یا أبا جندل اصبر و احتسب فإنَّ اللّٰہ جاعل لک ولمن معک من المستضعفین فرجا ومخرجا إنّا قد عقدنا بیننا و بین القوم وإنّا لا نغدر .(ابن ھشام)

ابو جندلؓ صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھو، بلا ریب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور تمہارے کمزور ساتھیوں کے لئے آسانی اور نکلنے کی کوئی سبیل بنا دے گا، ہم نے قوم کفار کے ساتھ عہد باندھا ہے ہم اس کو نہیں توڑیں گے۔

صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو مکہ مکرمہ سے ابو بصیرؓ بھاگ کر مدینہ پہنچ گئے، قریش نے دو آدمی تلاش کے لئے بھیجے، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو ابو بصیرؓ کو وہاں پا کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگے: کہ صلح کے مطابق آپ ابو بصیرؓ کو واپس ہمارے ساتھ روانہ کریں۔ چنانچہ صلح میں شرط کے مطابق آپ ﷺ نے ابو بصیرؓ کو واپس کر دیا، وہ انہیں لیکر ذوالحلیفہ پہنچے، وہاں بیٹھ کر کھجوریں کھانے لگے، حضرت ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک کو دیکھ کر کہا: یہ تمہاری تلوار بڑی اچھی ہے، اس نے بھی اپنی تلوار کی تعریف سنی تو اسے لہراتے ہوئے کہا: میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا جس پر یہ پڑی بس ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، ابو بصیرؓ نے فرمایا: یار! دکھا تو سہی اس نے تلوار دے

دی، تو انہوں نے ہاتھ میں لیتے ہوئے اسی پر تجربہ کیا، اور سر دھڑ سے جدا کر دیا، دوسرا یہ دیکھ کر بھاگ نکلا اور ہانپتا کانپتا مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا، آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: اس پر کوئی آفت آئی ہے، خیر سے نہیں آیا، اس نے آتے ہی سارا قصہ سنایا، تھوڑی دیر بعد ابو بصیرؓ بھی آ گئے اور عرض کیا جناب آپ ﷺ نے ایفائے عہد کیا اور مجھے واپس لوٹا دیا، اب اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے کفار سے رہائی کی کوئی سبیل بنا دی ہے، تو آپ ﷺ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم تو لڑائی کے شعلے معلوم ہوتے ہو، ابو بصیرؓ تاڑ گئے کہ آپ کا ارادہ واپس لوٹا دینے کا ہے، چنانچہ اس نے وہاں سے بھاگ کر سمندر کے کنارے ڈیرہ ڈال دیا، ابو جندلؓ کو علم ہوا وہ بھی وہاں پہنچ گئے، بلکہ جو مسلمان ہوتا وہ بھاگ کر وہاں ان سے جا ملتا، وہ وہاں کفار کے قافلوں پر حملہ کرتے، ان کا مال اپنے قبضہ میں لے لیتے۔ ابو العاص بن ربیعہ جو آپ کا داماد تھا، اور ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، وہ بھی وہاں شام سے واپسی پر پہنچا، تو ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس کا مال لوٹ لیا ابو العاص پلٹ کر مدینہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرہ کہہ سنایا، آپ ﷺ نے لکھوا بھیجا کہ ان کا سامان لوٹا دو، چنانچہ انہوں نے سارا مال حتی کہ اونٹوں کی نکیلیں تک واپس کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کفار سے بھی ایفائے عہد کا اہتمام کرتے، اور اس کی خلاف ورزی سے اجتناب کرتے تھے،

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا، کہ جب کوئی لشکر یا سریہ روانہ کرتے تو انہیں کچھ نصیحتیں کرتے، چنانچہ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ:

کان رسول اللہ ﷺ اِذا أمر أمیرا علی جیش أو سریّة أوصاہ خاصة بتقوی اللّٰہ عزوجل ومن معه من المسلمین خیرا ثم قال: اغزوا باسم اللّٰہ فی سبیل اللّٰہ قاتلوا من کفر باللّٰہ اغزوا ولا تغلّوا ولاتغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا الخ. (مسلم: ج۲ ص۸۲)

رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا سریہ پر امیر مقرر کرتے تو اسے خاص طور پر اللہ سے ڈرنے اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے، پھر فرماتے: اللہ کا نام لے کر اس کی راہ میں لڑو اور جو اللہ کا منکر ہو اسے قتل کرو، لڑو مگر خیانت نہ کرو، نہ غدر کرو نہ مثلہ کرو، اور

نہ بچوں کو قتل کرو۔ گویا میدان جنگ میں غدر اور عہد کی خلاف ورزی سے بچنے کی تاکید فرماتے، جب کہ زمانہ جنگ میں عموماً معاہدوں کی پابندی نہیں ہوتی۔

غزوہ بدر میں افراد کی کمی کا یہ عالم کہ کل تین سو تیرہ سرفروش ہمرکاب ہیں۔ ان کے پاس کل آٹھ (۸) تلواریں دو گھوڑے ستر (۷۰) اونٹ ہیں، اس بے سروسامانی کے باوصف عہد کی پاسداری کا یہ عالم ہے کہ حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں: کہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہوسکا، میں اپنے باپ کے ہمراہ مدینہ طیبہ آرہا تھا راستہ میں مشرکین نے پکڑ لیا، انہوں نے کہا کہ:

انّکم تریدون محمداً فقلنا ما نریده فأخذوا منّا عهد الله و میثاقه لننصرفن اِلی المدینة ولا نقاتل معه فأتینا رسول الله ﷺ فاخبرناه فقال: انصرفا. (صحیح مسلم)

تمہارا ارادہ محمد ﷺ کے پاس جانے کا ہے، تو ہم نے کہا: نہیں، انہوں نے ہم سے اللہ کے نام کا عہد لیا کہ تم مدینہ جاؤ مگر اس شرط پر کہ محمد کے ساتھی بن کر نہیں لڑو گے، چنانچہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، اور ساری بات عرض کردی، فرمایا: تم لوٹ جاؤ ہمارے ساتھ لڑائی میں شریک نہ ہو۔ غور کیجئے وفاء عہد کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ مجھے زمانہ صلح حدیبیہ میں قریش نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، آپ کے رخ انور پر نظر پڑی تو اسلام دل میں گھر کر گیا، آپ سے عرض کی کہ آپ کا در چھوڑ کر واپس نہیں جاؤں گا۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا: میں عہد شکنی نہیں کرسکتا اور نہ ہی قاصد کو اپنے پاس رکھ سکتا ہوں، تم سردست واپس چلے جاؤ اگر تمہارے دل میں اسلام کی محبت ہوئی تو واپس آسکتے ہو، چنانچہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ واپس مکہ مکرمہ چلے گئے، پھر واپس آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ (ابوداؤد مع العون: ص ۳۷ ج ۳ النسائی)

خیبر میں قلعہ قموص کے محاصرہ میں بیس دن گزر گئے، سخت گرمی اور راشن کی بھی کمی تھی، اسی حالت میں صحابہ نے پیٹ بھرنے کے لئے گدھے کو ذبح کیا، مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے کھانے سے منع فرمادیا، اسی اثناء میں ایک سیاہ رنگ کا چرواہا غلام بعض نے

اس کا نام اسلم اور بعض نے یسار بتلایا ہے اپنی بکریوں سمیت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ کیا کہتے ہیں اور کس کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس غلام نے کہا: کہ اگر میں آپ کی دعوت قبول کرلوں تو مجھے کیا ملے گا، فرمایا: اگر تم اسی حالت پر فوت ہوگئے تو تمہیں جنت ملے گی، چنانچہ وہ ایمان لے آیا اور عرض کیا: یا نبی اللّٰہ اِنّ ھذہ الغنم عندی أمانة اے اللہ کے نبی! یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں ان کا کیا کروں آپ نے فرمایا: اسے کنکریاں مار کر مالک کی طرف بھگا دو، اللہ تعالیٰ تمہاری امانت پہنچا دے گا، چنانچہ اس نے یوں ہی کیا اور وہ بکریاں اپنے یہودی مالک کے پاس پہنچ گئیں۔ (زادالمعاد:ص۱۳۵ج۲) غور کیجئے بھوک پیاس کی شدت کے باوجود اور عین محاذ جنگ پر بھی بکریوں پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ امانت کو ادا کرنے کا حکم فرمایا، یہی غلام لڑائی کے دوران میں شہید ہوگیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

لقد أكرم اللّٰه هذا العبد وساقه الى خير ولقد رأيت عند رأسه اثنين من الحور العين ولم يصل لله سجدة قط۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا کرم فرمایا، اسے خیر کی طرف لے آیا، میں اس کے سر کے پاس دو حوروں کو دیکھ رہا ہوں جبکہ اس نے اللہ کو ایک سجدہ بھی نہیں کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا رنگ سیاہ، منہ بے ڈھبہ سا اور بو میرے جسم سے اٹھ رہی ہے، کوئی مال میرے پاس نہیں، اگر اسی حالت میں ان سے قتال کروں اور مارا جاؤں تو مجھے جنت ملے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ وہ آگے بڑھا اور شہید ہوا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تیرا چہرا خوبصورت کرے، تجھے خوشبودار بنائے اور تیرا مال زیادہ کرے میں دو حوروں کو دیکھ رہا ہوں وہ اس کے جبہ میں داخل ہورہی ہیں۔ (ایضا)

وفائے عہد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

حضرت امیر معاویہؓ نے رومیوں سے ایک مدت تک نہ لڑنے کا عہد کیا، مگر اپنی تیاریوں میں مصروف رہے، جب مدت معاہدہ ختم ہونے کے قریب ہوئی تو فوج لیکر

رومیوں کی سرحد پر روانہ ہو گئے، تا کہ جوں ہی مدت ختم ہو حملہ کر دیا جائے، سفر کے دوران میں ایک صاحب گھوڑا دوڑاتے ہوئے آئے اور کہا: اللہ اکبر یہ بدعہدی کیوں ہے؟ وفائے عہد کرنا چاہیے، دیکھا تو وہ عمرو بن عبسۃ تھے۔

حضرت معاویہؓ سے ملے، ان سے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"من كان بينه وبين قوم عهد فلا يشد عقدة ولا يحلها حتّى ينقضى امدها أو ينبذ اليهم على سواء"

(ابوداود: ص ۳۸ ج ۱۳ احمد وغیرہ ابن کثیر: ص ۴۲۳ ج ۲)

جس کا کسی قوم کے ساتھ عہد ہے تو نہ اس میں اضافہ کرے نہ اسے توڑے، تا آنکہ عہد کی مدت پوری ہو جائے، یا (ان کی خیانت محسوس کر کے) انہیں مطلع کرے تا کہ وہ بھی برابری کی سطح پر آ جائیں۔

حضرت معاویہؓ نے یہ حدیث سنی تو واپس لوٹ آئے، جس سے نقض عہد کی ممانعت کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہؓ کی وفا شعاری اور رسول اللہ کی اطاعت گزاری کا جذبہ بھی نمایاں ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بھی یہی فرمان ہے کہ:

﴿ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴾ (الانفال: ۵۸)

اور اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد توڑ دے، اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

خیانت سے مراد معاہد قوم سے نقض عہد کا خطرہ ہے، ایسی صورت میں انہیں مطلع کرنے کا حکم فرمایا، کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں، تا کہ فریقین اپنے اپنے طور پر اپنی حفاظت کریں، کوئی فریق لاعلمی اور مغالطے میں نہ مارا جائے۔

عہد و وعدہ کی پاسداری کی بنا پر ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت میں اعلان کیا کہ: من كان له عند رسول الله ﷺ عدة أو دين فليأتنا. کہ جس کسی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے کوئی وعدہ کیا تھا یا کسی نے آپ ﷺ سے کوئی قرضہ لینا تھا تو وہ آئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: میرے ساتھ آپ کا وعدہ تھا کہ بحرین سے مال

آ ئے گا، تو میں تمہیں تین لپ دوں گا چنانچہ جب بحرین سے مال آیا تو میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس حاضر ہوا آپ کا وعدہ یاد دلایا، تو انہوں نے اسے پورا کیا، صحابہ کرامؓ اپنا وعدہ ہی نہیں رسول اللہ ﷺ کے وعدہ کی بھی پاسداری کرتے اور انہیں پورا کرتے تھے۔

جنگ یرموک کے موقع پر جب قیصر روم نے تمام اطراف سے اپنی فوجوں کا ٹڈی دل مقابلے کے لئے لا کھڑا کیا تو حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے رفقاء سے مشورہ کیا کہ اب کیا ہونا چاہیے، حضرت یزید بن ابی سفیانؓ (حضرت معاویہؓ کے بھائی) کا مشورہ تھا کہ عورتوں اور بچوں کو شہر (حمص) میں رہنے دیں اور ہم شہر سے باہر لشکر آراہوں، مگر شرحبیلؓ بن حسنہ نے فرمایا: یہ درست نہیں شہر والے تمام عیسائی ہیں، ممکن ہے کہ وہ ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں، یا خود مار ڈالیں، حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا: کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں، شرحبیلؓ نے کہا: اے امیر! آپ کو یہ ہرگز حق حاصل نہیں، ہم نے ان عیسائیوں کو اسی شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، اس لئے نقض عہد کیونکر ہوسکتا، حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کی اور آخری رائے یہ ٹھہری، کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالدؓ موجود ہیں، اور عرب کی سرحد قریب ہے، یہ فیصلہ ہو چکا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے خزانچی حبیبؓ بن مسلمہ سے کہا: کہ عیسائیوں سے جزیہ یا خراج اس لئے لیا جاتا ہے کہ ہم ان کی حفاظت کریں، اور انہیں دشمنوں سے بچا سکیں، لیکن اس حالت میں ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے، اس لئے ان سے جو کچھ وصول ہوا ہے، سب ان کو واپس کر دو، اور ان سے کہہ دو، کہ چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوسکتے، اس لئے جزیہ تمہیں واپس کیا جاتا ہے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول کی گئی تھی بتمام وکمال واپس کر دی، عیسائیوں پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے، اور جوش سے کہتے جاتے تھے، کہ اللہ تم کو واپس لائے، یہودی ان سے بھی زیادہ متاثر ہوئے، انہوں نے کہا: تورات کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کرسکتا، یہ کہہ کر شہر کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ پہرے دار بیٹھا دیئے، حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ سلوک صرف اہل حمص سے نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے، ہر جگہ یہ حکم نامہ بھیج دیا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ہرقل شاہ روم جب مسلسل پسپا ہو رہا تھا تو انطاکیہ میں اس نے اپنے مصاحبوں سے پوچھا: مجھے اس قوم کے بارے میں جو ہمارے ساتھ برسر پیکار ہے بتلاؤ کیا یہ انسان نہیں؟ تو انہوں نے کہا وہ انسان ہی ہیں اس نے کہا: تعداد میں تم زیادہ ہوتے ہو یا وہ؟ تو انہوں نے کہا ہر میدان میں ہم ان سے کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ اس نے کہا: پھر کیا وجہ ہے کہ تم شکست کھا جاتے ہو اور وہ کم ہونے کے باوجود فتح پاتے ہیں، تو ان مصاحبوں میں سے ایک عمر رسیدہ بزرگ نے کہا:

من أجل انّهم يقومون الليل ويصومون في النّهار ويوفون بالعهد ويأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و يتناصفون بينهم

اس لئے کہ وہ رات کو نماز پڑھتے ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں، عہد کو پورا کرتے ہیں، معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہیں اور آپس میں انصاف کرتے ہیں۔

بلکہ ایک نے ایک اور موقعہ پر یہ بھی کہا: کہ" **لو سرق فيهم ابن ملكهم لقطعوه اوزنى رجموه** "۔ اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا چوری کرے تو وہ اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے ہیں، یا اگر زنا کرے تو اسے رجم کر دیتے ہیں۔ مگر ان کے مقابلے میں ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں، حرام کا ارتکاب کرتے ہیں، عہد کو توڑتے ہیں، اور ظلم وزیادتی کرتے ہیں، ان باتوں کے کرنے کا حکم دیتے ہیں جو اللہ کی ناراضی کا باعث ہیں، اور ان کاموں سے روکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ یہ سن کر ہرقل نے کہا **أنت صدقتني.** تم نے مجھے سچی بات بتلائی ہے۔ (البدایہ: ص ۱۵ ج ۷) غور کیجئے، مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست کے اسباب میں ایک سبب یہ ہے۔ **یوفون بالعهد** کہ مسلمان عہد کے پکے ہیں۔

عہد و میثاق کے حوالے سے یہ اور اسی نوعیت کے بہت سے واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اس کا کس قدر اہتمام کرتے، اور دشمنوں سے کئے ہوئے وعدہ کی بھی پاسداری کرتے۔

نقض عہد کی وعید

وفائے عہد ایمان کی علامت ہے، جبکہ نقض عہد نفاق کی اور بے دینی کی علامت

ہے، جیسا کہ پہلے اس بارے میں احادیث گزر چکی ہیں، ان کے علاوہ نقض عہد کی مذمت کے بارے میں حضرت عبداللہؓ بن عمر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنّ الغادر ینصب له لواء یوم القیامة فیقال: هذه غدرة فلان بن فلان. (بخاری مع الفتح: ج۱۰ ص۵۶۳، مسلم: ج۲ ص۸۳)

عہد کا غدر کرنے والے کے لئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائیگا اور کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کا غدر ہے۔

جس سے اس کی توہین وتشہیر مطلوب ہے حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ذمة المسلمین واحدة یسعی بها ادناهم فمن اخفر مسلما فعلیه لعنة اللّٰه والملئکة والناس اجمعین لایقبل اللّٰه منه یوم القیامة عدلا و لا صرفا. (بخاری: ج۲ ص۱۰۰۰ او مسلم)

مسلمانوں کا ذمہ ایک جیسا ہے، ان میں سے ادنی، مسلمان بھی اس کی کوشش کرسکتا ہے، جو مسلمان سے وعدہ خلافی کرتا اور ذمہ توڑتا ہے اس پر اللہ کی اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو، قیامت کے روز اللہ اس کا نہ کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما نقض قوم العهد اِلّا کان القتل بینهم، ولا ظهرت الفاحشة فی قوم اِلّا سلّط علیهم الموت، ولا منع قوم الزکاة اِلا حبس عنهم القطر. (حاکم، صحیح الترغیب: ج۳ ص۱۵۶)

''جو قوم نقض عہد کرتی ہے ان کے مابین قتل وغارت عام ہوجاتا ہے، اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے ان پر موت مسلط کردی جاتی۔ (جان لیوا بیماریاں عام ہوجاتی ہے اور وہ بزدل ہوجاتے ہیں) جو قوم زکاۃ روک لیتی ہے اس پر باران رحمت روک دی جاتی ہے'' بروقت بارشیں نہیں ہوتیں، ہوتی ہیں تو عذاب بن جاتی ہیں۔

حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أیّما رجل أمّن رجلا علی دمه ثمّ قتله، فأنامن القاتل برئ، واِن

كان المقتول كا فرا (ابن حبان، ابن ماجه،صحيح الترغيب: ج۳ص۱۵۶)

جو آدمی کسی شخص کو امان دیتا ہے پھر وہ قتل کر دے تو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اگر چہ مقتول کافر ہی ہو۔

''معاہد'' غیر مسلم جو کسی معاہدہ کے تحت مسلم ریاست میں آئے۔ وہ معاہدہ جزیہ کے ساتھ ہو، حاکم سے مصالحت کے نتیجہ میں ہو یا کسی مسلمان کی جانب سے پناہ دینے کے طور پر ہو (فتح الباری ص ۲۵۹ ج ۱۲) ایسے معاہد کو قتل کرنا بھی حرام ہے۔ حضرت عبدؓ اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی معاہد کو قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جاسکتی ہے (بخاری مع الفتح ص ۲۵۹ ج ۱۲)۔ یہ روایت دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے۔ لہٰذا مسلمان ممالک میں اجازت سے آنے والے غیر مسلموں کو قتل کرنا بھی حرام اور ناجائز ہے۔ الا یہ کہ وہ کوئی ایسا عمل کریں جو معاہدہ کے منافی ہو۔

ان احادیث مبارکہ سے وعدہ خلافی اور عہد شکنی کی سنگینی اور دنیا و آخرت میں اس کا انجام واضح ہو جاتا ہے۔

سب سے اہم عہد و میثاق

عام طور پر لوگ عہد و میثاق کو باہمی قول و قرار اور آپس کے مالی معاملات کی حد تک سمجھتے ہیں، مگر اسلام میں اس کی حقیقت بہت وسیع ہے، جس میں معیشت و معاشرت، اخلاق و عادات، دین و مذہب کی تمام صورتیں شامل ہیں، جن کی پابندی کا انسان مکلّف بنایا گیا ہے، اور ان میں سب سے اہم وہ عہد ہے جو انسان اور اس کے رب کے مابین ہے، جو روز الست کو تمام انسانوں نے اپنے رب سے باندھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۷۲)

اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود ان پر گواہ بنا کر پوچھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم

سب گواہ بنتے ہیں، تاکہ تم قیامت کے روز یوں نہ کہو: کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یوم عرفہ کو نعمان جگہ میں اللہ تعالیٰ نے اصلاب آدم سے یہ میثاق لیا، آدم کی پشت سے ان کی ہونے والی تمام اولاد کو نکالا اور اس کو اپنے سامنے پھیلا دیا، پھر ان سے پوچھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے کہا: "بلٰی" کیوں نہیں، ہم سب آپ کے رب ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ (احمد، حاکم، وصححه الذهبی) مگر ابن کثیر کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ص ۳۴۸ ص ۲) اس موضوع کی اور مرفوع وموقوف روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ عالم ارواح میں یہ عہد اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم سے لیا، اس عہد کی گویا یاد دہانی کے لئے انبیاء کرام کو بھیجا، ان پر اپنی کتابیں نازل کیں سب انبیاء کی پہلی بنیادی دعوت اس عہد کے مطابق دعوت توحید رہی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِن رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْ اِلَيْهِ أَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (الانبياء: ۲۵)

اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں، لہٰذا صرف میری ہی عبادت کرو۔ اسی طرح فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل: ۳۶)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا، (جو انہیں یہی کہتا تھا:) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو

بنی اسرائیل سے بھی اس کا عہد لیا گیا، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَاِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (البقرة: ۸۳)

اور جب ہم نے انبیاء کے ذریعے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو گے، اور والدین سے حسن سلوک کرو گے۔

نبی کریم ﷺ کو بھی حکم تھا کہ سب سے پہلے اسی توحید کی بیعت لیں، چنانچہ

فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا﴾(الممتحنہ : ۱۲)

اے نبی ﷺ جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں بیعت کرنے آئیں (اس بات پر بیعت کریں) کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی۔

صحابیاتؓ ہی سے نہیں، صحابہ کرامؓ سے بیعت لیتے ہوئے بھی سب سے پہلے آپ اسی کا عہد لیتے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے، جیساکہ بیعت عقبہ کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے بلکہ قیامت کے روز مشرکوں سے کہا جائے گا:

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ﴾(یٰس : ۶۰، ۶۱)

اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور میری ہی عبادت کرنا، یہی صراط مستقیم ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے کہا ہے کہ عہد سے یہاں مراد عہد الست بھی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اس کی وصیت و تاکید بھی مراد ہے، اس عہد و میثاق کا تقاضا ہے کہ ہم اللہ وحدہ لاشریک کو مانیں اس کی بندگی کریں، کلمہ شہادت میں ایماندار اسی کا اقرار کرتا ہے اور اس کے گھر میں دیوانہ وار چیختا ہوا اس کا اظہار کرتا ہے کہ

لَبَّیْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

میں غلام حاضر ہوں، اے اللہ! میں غلام حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک حمد کے آپ ہی سزاوار ہیں، اور ہر نعمت آپکی طرف سے ہے، بادشاہت آپ کی ہے، آپکا کوئی شریک نہیں۔

مگر افسوس آج امت کی اکثریت اس عہد سے غافل اور اس وصیت سے بے خبری میں مبتلا ہے۔

نذر بھی عہد ہے

اسی طرح وہ اقرار بھی عہد میں شامل ہے جو انسان اپنے اللہ سے کرتا ہے کہ اگر

مجھے اتنی رقم مل جائے یا میرا یہ کام ہو جائے تو میں اس قدر صدقہ کروں گا، یا اتنے نوافل پڑھوں گا، یا روزے رکھوں گا اس عہد کا پورا کرنا بھی واجب ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴾

(التوبة: ۷۵، ۷۶)

ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہمیں اپنی مہربانی سے (مال و دولت) عطا کرے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے، اور نیک بن جائیں گے، پھر جب اللہ نے اپنی مہربانی سے مال عطا کر دیا تو بخل کرنے لگے اور کمال بے اعتنائی سے (اپنے عہد سے) پھر گئے۔

اس حوالے سے ثعلبہ بن حاطب کا واقعہ تفاسیر میں معروف ہے، (یاد رہے ثعلبہ بن ابی حاطب ؓ معروف بدری صحابی ہیں، مگر یہ ثعلبہ بن حاطب ایک دوسرا شخص تھا جس کی تفصیل الاصابہ میں حافظ ابن حجرؒ نے بیان کردی ہے) جس نے آنحضرت ﷺ کے سمجھانے کے باوجود آپ سے مال و دولت کے حصول کی دعا کروائی کہ میں اس کا حق ادا کروں گا، آپ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بکریوں کی شکل میں وافر مال عطا فرمایا، مگر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکا، اس پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی مگر اس کا حکم عام ہے اور قاری کو دعوت فکر دے رہا ہے کہ اس نوعیت کا عہد و اقرار اور پھر اس کی خلاف ورزی جرم عظیم ہے اور کھلے نفاق کی علامت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں منافق کی علامات میں ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے: کہ اِذا وعد أخلف جب وہ وعدہ کرتا تو خلاف ورزی کرتا ہے۔

اس سے اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص کسی کام کی نذر مانتا ہے تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ کہ وہ اللہ کی رضا اور قربت کا باعث ہو، لیکن اگر اس کام میں معصیت کا پہلو ہو تو اسے قطعاً پورا نہیں کرنا چاہیے، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من نذر أن يطيع الله فليطعه و من نذر أن يعصيه فلا يعصه.

(بخاری مع الفتح: ص ۵۸۱ ج ۱۱)

جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اطاعت کرنی چاہیے، اور جس نے نافرمانی کی نذر مانی اسے نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اِنّما النذر ما یبتغی به وجه اللّٰه. (مسند اِمام أحمد: ج ۲ ص ۱۸۳، ۲۱۱)

کہ نذر وہ ہے جس میں اللہ کی رضا مقصود ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا نذر فی معصیة الرب ولا قطیعة رحم ولا فیما لا یملک.

(أبو داؤد: ج ۳ ص ۲۴۳)

جس میں اللہ کی نافرمانی ہو، قطع رحمی ہو اور جس کو پورا کرنے کی قدرت نہ ہو اس میں نذر نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ نے ابو اسرائیلؓ نامی ایک شخص کو دھوپ میں کھڑا ہوا دیکھا، آپ ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا: کہ یہ دھوپ میں کیوں کھڑا ہے تو آپ سے عرض کیا گیا: کہ اس نے نذر مانی ہے کہ میں روزہ رکھ کر دھوپ میں کھڑا ہوں گا، نہ بیٹھوں گا اور نہ کسی سے کلام کروں گا، آپ نے فرمایا: اسے کہو کہ کلام کرے، سایہ میں بیٹھ جائے، اور روزہ پورا کرے۔ (بخاری: ج ۲ ص ۹۹۱، ابو داود: ج ۳ ص ۲۲۸)۔ گویا روزہ رکھنا تو عبادت ہے مگر دھوپ میں کھڑا ہونا' خاموش رہنا اور محض کھڑے رہنا کوئی عبادت نہیں، بعض حضرات ''چپ شاہ'' بنتے ہیں، کسی سے کلام نہیں کرتے حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک دن کی خاموشی سے بھی منع فرمایا:

لاصمات یوم اِلی اللیل . (أبو داود: ج ۳ ص ۷۴)

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں خاموش رہنا جاہلیت کا عمل ہے۔ (بخاری مع الفتح: ج ۱۱ ص ۵۹۰) بعض نے لکھا ہے کہ خاموشی کا روزہ مجوسیوں کا شیوا ہے، لہٰذا خاموش رہنا یا دھوپ میں کھڑے ہونا کوئی عبادت نہیں، نذر اس عمل کی ہونی چاہیے جو اللہ کی قربت کا باعث ہو۔

بلکہ معروف حنفی فقیہ علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود کاسانیؒ نے تو لکھا ہے کہ:

و منها أن يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المرضى و تشييع الجنائز والو ضوء والا غتسال و دخول المسجد ومس المصحف والأ ذان وبناء الرباطات والمساجد وغير ذلک وإن كانت قرباً لأنّها ليست بقرب مقصودة .(بدائع: ج٦ ص ٢٨٦٤)

نذر کی شرط میں یہ ہے کہ وہ قربت مقصودہ ہو لہٰذا مریضوں کی بیمار پرسی جنازہ کے لئے جانے ،وضو،غسل،مسجد میں داخل ہونے ،قرآن مجید کو چھونے ،اذان ،وقف ،مکانات تعمیر کرنے ،مساجد بنانے اور اسی نوعیت کے دوسرے کاموں کی نذر ماننا صحیح نہیں ،یہ کام اگر چہ اللہ کے قرب کا باعث ہیں مگر یہ قربت مقصودہ نہیں ہیں۔

یعنی اذان نماز کے لئے ،مسجد تعمیر کرنا نماز کے لئے ،مسجد میں جانا نماز پڑھنے ،ذکر واذکار کرنے یا تعلیم حاصل کرنے کے لئے ،مسجد،محض دخول مسجد یا مس مصحف یا اذان قربت ہے نہ مطلوب ومقصود اور نہ ہی اس کا حکم ،غور فرمایئے جب علمائے احناف کے ہاں امر واقعہ یہ ہے تو قبر پر جانے ،اس پر اچھاڑ چڑھانے ،چراغ جلانے یا چراغ میں تیل ڈالنے ،وہاں جانور ذبح کرنے ،یا محفل میلاد ،یا محفل ماتم قائم کرنے کی نذر ومنت کیونکر روا ہوئی؟ علامہ ابن نجیم نے تو صراحۃً لکھا ہے:

النذر الذى ينذره اكثر العوام على ما هو مشاهد كأن يكون لاِنسان غائب أو مريض أو له حاجة ضرورية فيأتى بعض الصلحاء فيجعل على رأسه ستره ويقول: ياسيدى فلان اِن رد غائبى أوعوفى مريضى أوقضيت حاجتى فلک من الذهب كذا أومن الفضة كذا أو من الطعام كذا أو من الماء كذا أومن الشمع والزيت كذا فهذا النذر باطل بالاِجماع لوجوه منها انه نذرللمخلوق والنذر للمخلوق لايجوز لأنه عبادة والعبادة لاتكون لمخلوق ومنها أن المنذور له ميت والميت لايملک ومنها انه ظن أن الميت يتصرف فى الأمور دون اللّٰه وذالک كفر......فما يؤخذ

من الدراهم والشمع والزيت وغيرها وينقل اِلى ضرائح الأولياء تقربا اليهم حرام باجماع المسلمين .(البحر الرائق: ج ۲ ص ۲۹۸ ،رد المحتار: ج۲ ص ۴۳۹)

وہ نذر جو اکثر لوگ مانتے ہیں، جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مثلاً کسی کا کوئی آدمی گم ہوگیا، یا بیمار ہوا، یا اور کوئی ضرورت ہوئی، تو وہ نیک لوگوں کے مزارات پر جاتے ہیں، ان (کی قبر) کا پردہ سر پر رکھتے ہیں: اور کہتے ہیں: کہ اے میرے سردار! اگر میرا گم شدہ آدمی واپس آجائے، یا ہمارا بیمار شفایاب ہوجائے، یا ہماری حاجت پوری ہوجائے، تو میں اتنا سونا یا چاندی یا کھانا یا پانی یا شمع یا تیل نذر کروں گا، تو یہ نذر کئی وجوہ سے باطل ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر جائز نہیں، کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی، اور ایک وجہ یہ ہے کہ یہ میت کی نذر ہے اور میت کسی چیز کی مالک نہیں ہوتی، اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے عقیدہ رکھا کہ میت امور میں تصرف کرتی ہے تو یہ عقیدہ کفر ہے اس لئے تقرباً جو روپیہ پیسہ یا چراغ یا تیل وغیرہ اولیاء کی قبر پر منتقل کیا جاتا ہے تمام مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے۔ فتاوی عالمگیری میں بھی ہے:

والنذر الذی يقع من أكثر العوام بأن يأتی الی قبر بعض الصلحاء ويرفع ستره قائلا يا سيدی فلان ان قضيت حاجتی فلك منی من الذهب مثلا كذا باطل اِجماعا .(عالمگیری: ج۱ ص ۲۱۶ نیز الدرالمختار: ص ۴۳۹ ج ۲)

اکثر لوگ جو نذر مانتے ہیں کہ کوئی شخص کسی نیک کی قبر پر جاکر اس (کی قبر) کا پردہ اٹھا کر کہتا ہے: کہ میرے سردار! اگر میری فلاں حاجت پوری ہوجائے تو میرے ذمہ آپ کے لئے مثلاً اتنا سونا ہے ایسی نذر بالاجماع باطل ہے، لہٰذا اس قسم کی نذر ماننا قطعاً حرام اور اس کو پورا کرنا بھی حرام ہے۔

مگر افسوس کہ حیلہ سازوں نے یہاں بھی یہ حیلہ بنالیا کہ ایسی نذر عرفی ولغوی ہے حقیقی نہیں، اصل مقصود ایصال ثواب ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ایصال ثواب بذات خود ''عبادت مقصودہ'' ہے؟ قطعاً نہیں، تو یہ نذر کیسی؟ کل کو یہ حضرات شاید یہ بھی کہیں کہ قبر کو سجدہ، یا قبر کا طواف عرفی یا لغوی ہے، شرعی نہیں اس لئے اس میں بھی کوئی حرج نہیں، اسی طرح غیر اللہ کی قسم بھی شاید لغوی وعرفی قسم قرار پائے، ہر دور میں بدعات وخرافات کو سہارا

اسی نوعیت کے حیلوں سے دیا جاتا رہا، مگر فقہائے کرام نے مثالیں دیکر جو بات واضح کر دی ہے اس کے بعد اس پر اپنی ہوس کی دھول نہیں ڈالی جا سکتی۔

علامہ محمود آلوسی حنفیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے فرمان: کہ ''اللہ کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو وہ مکھی پیدا نہیں کر سکتے''۔ میں اولیاء کرام کے بارے میں غلو کرنے والوں کی مذمت ہے، جو مصائب میں اللہ سے غافل ہو کر ان کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کی نذریں مانتے ہیں، ان میں سے عقلمند کہتے ہیں: اولیاء تو ہمارا وسیلہ ہیں، ہم نذر اللہ کی مانتے ہیں اور انہیں ثواب پہنچاتے ہیں۔ حالانکہ اس میں کوئی پوشیدہ بات نہیں کہ یہ اپنے پہلے دعوی میں بتوں کی پوجا کرنے والوں کی مانند ہیں جو کہتے ہیں، کہ ہم اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان کی عبادت کرتے ہیں، اور دوسرے دعوے میں کوئی حرج نہیں اس میں گنجائش ہے بشرطیکہ وہ اس کے ساتھ اپنے مریضوں کی شفا اور گم شدہ کی واپسی وغیرہ کا قصد نہ کریں، اور ان کی ظاہر حالت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ ان سے یہ چیزیں طلب کرنا ہے، جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر انہیں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نذر مانو اور اس کا ثواب اپنے والدین کو پہنچاؤ کیونکہ وہ اولیاء کرام سے نسبتاً زیادہ محتاج ہیں، تو وہ ایسا نہیں کریں گے، آپ دیکھیں گے کہ ان میں اکثر صالحین کی قبروں کی چوکھٹ پر سجدہ کرتے ہیں، ان میں وہ بھی ہیں جو دفن شدہ بزرگوں کے بارے میں ثابت کرتے ہیں کہ امور میں تصرف کا انہیں اختیار ہے، اور یہ اختیار علیٰ حسب المراتب ہے، اور ان میں جو عالم ہیں وہ یہ اختیارات چار یا پانچ ہستیوں کے بارے میں منحصر سمجھتے ہیں، اور جب ان سے اس کی دلیل طلب کی جاتی ہے تو کہتے ہیں، یہ حقیقت کشف کے ذریعے منکشف ہوئی، اللہ انہیں ہلاک و برباد کرے، یہ کس قدر جاہل ہیں، اور کتنا جھوٹ بولتے ہیں، ان میں بعض تو وہ ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ اولیاء کرام قبروں سے مختلف شکلوں میں باہر آتے ہیں، اور ان کے علماء کہتے ہیں: کہ ان کی روحیں متشکل ہو جاتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ یہ سب باطل ہے جس کی کوئی دلیل کتاب و سنت اور سلف امت کے کلام میں نہیں، انہوں نے لوگوں کا دین برباد کر دیا ہے، اور یہود و نصاریٰ اور دہریوں کے لئے باعث مذاق بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ (روح المعانی: ص ۱۹۳ ج ۱۷)

علامہ آلوسیؒ نے جس حقیقت کا اظہار کیا ہے اولیاء کرام کی قبروں پر اس کا مظاہرہ ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے، اس قسم کی نذر و منت قطعاً حرام ہے، اور اس کا پورا کرنا بھی حرام ہے، اور جو نذر اللہ کی اطاعت و قربت کے لئے ہو اسے بہر نوع پورا کرنا چاہیے، متقی و پرہیز گار کی ایک علامت یہ ہے کہ ﴿یُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ (الدھر: ۷) وہ نذر کو پورا کرتے ہیں۔

ہر جائز کام کا عزم اور عہد

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یا اللہ کی قسم کھا کر جس کام کا اقرار کرتا ہے وہ بھی عہد و معاہدہ میں شامل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا﴾ (النحل: ۹۱)

اور تم نے اللہ سے کوئی عہد کیا ہو تو اسے پورا کرو، اور اپنی قسموں کو پکا کرنے کے بعد مت توڑو، جبکہ تم اپنے (قول و قرار) پر اللہ کو ضامن بنا چکے ہو۔

یعنی وہ عہد و پیمان جو قسموں کے ذریعہ پختہ کر چکے ہو اسے مت توڑو (ابن کثیر)، اور اس میں ہر وہ عہد شامل ہے جس کے کرنے کا التزام انسان نے اپنے ذمہ لے لیا ہو، بشرطیکہ وہ شریعت کے موافق ہو، خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، اس میں وہ قول و قرار بھی شامل ہے جو اسلام لاتے ہوئے صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ سے کرتے تھے۔

اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوا ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

(الانعام: ۱۵۲)

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو یہ اس نے تم کو نصیحت کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔

امام ابن جریرؒ نے کہا ہے: کہ یہاں عہد سے تمام اوامر و نواہی کی پابندی اور کتاب و سنت کی اطاعت مراد ہے گویا ایک مسلمان جب کلمہ شہادت کا اعتراف و اقرار کرتا ہے تو وہ اپنے ذمہ اس پابندی کا عہد کرتا ہے کہ میں ایک اللہ کی عبادت کروں گا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کروں گا۔ اب ہم میں سے ہر ایک کو اپنے دامن

میں نگاہ ڈال کر دیکھ لینا چاہیے کہ ہم اس عہد کا کس حد تک پاس کرتے ہیں۔

نکاح بھی عہد ہے

نکاح بھی میاں بیوی کے مابین ایک عہد وعقد ہے، قرآن پاک میں عہد کے معنی میں عقد کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے:

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾(المائدة : ۱)

ایمان والو! اپنے عقود یعنی قول واقرار کو پورا کرو۔

عقد، تمام قسم کے عقود کو شامل ہے، جیسے عقد بیع، عقد یمین عقد صلح، عقد شرکت، عقد نکاح، بلکہ عقدۃ النکاح کا لفظ قرآن مجید میں نکاح کے معنی میں استعمال ہوا ہے، خطبۃ الحاجہ جو عموماً خطبہ نکاح کے نام سے متعارف ہے، اس میں جو آیات تلاوت کی جاتی ہیں ان میں ''قَوْلاً سَدِیْداً'' کہہ کر یاد دلایا جاتا ہے، کہ جو عقد کر رہے ہو اسے پکا اور سچا سمجھو، باہم آپس کے حقوق کو پورے طور پر ادا کرنے کا عزم کرو۔ ظاہر ہے کہ میاں بیوی جب تک اس پر قائم ہیں گھر بھی آباد رہے گا اور اللہ کی رضا کا بھی باعث ہوگا اور جب اس میں کوتاہی یا رخنہ اندازی اختیار کی جائے تو نقض عہد کا وبال ظاہر ہونے لگے گا، گھر کا اطمینان وسکون برباد ہو جائے گا. أعاذنا اللّٰه منه

﴿وَالَّذِینَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ﴾ (المؤمنون:۹)

اور جو اپنی نمازوں پر محافظت کرتے ہیں۔

فلاح وفوز پانے والوں کا یہ ساتواں وصف ہے کہ وہ اپنی نمازوں پر محافظت کرتے ہیں۔نماز کی حفاظت کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

﴿حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰی﴾(البقرة:۲۳۸)

نمازوں کی حفاظت کرو اور نماز وسطی کی۔

نماز وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے،غزوہ احزاب میں کفار کی یورش کی بنا پر آپ نماز عصر نہ پڑھ سکے تو آپ نے بڑے صدمہ سے فرمایا:

شغلونا عن الصلاة الوسطى صلاة العصر ملا الله قلوبهم وبيوتهم نارا.(مسلم: ج ا ص ۲۲۷)

ہمیں نماز وسطی نماز عصر سے انہوں نے مشغول رکھا،اللہ ان کے دلوں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔

سورۃ المعارج میں بھی کامیابی سے ہمکنار ہونے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ﴾(المعارج: ۳۴)

اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

ایک آیت میں یہ بھی فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴾(المعارج:۲۳)

جو اپنی نمازیں ہمیشہ ادا کرتے ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ حفاظت میں مداومت مراد ہے،کہ وہ پانچوں نمازیں باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: کہ محافظت سے مراد یہ ہے کہ وہ نماز وقت پر پڑھتے ہیں (ابن کثیر)۔ بلکہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا أيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ، سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: الصلاة لوقتها نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔حفاظت ہی کا تقاضا ہے کہ نماز کو

اس کے تمام ارکان وشروط اور سنن کے مطابق باجماعت ادا کیا جائے حضرت حنظلہ الکاتبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من حافظ علی الصلوات الخمس رکوعهن وسجودهن وضوءهن ومواقيتهن وعلم انهن حق من عندالله دخل الجنة. (مسند احمد: ج۴ ص۲۶۷)

جس نے پانچ نمازوں کی، ان کے رکوع اور ان کے سجود، ان کے وضوء اور ان کے اوقات کی حفاظت کی اور یہ فریضہ اللہ کی طرف سے سمجھ کر پورا کیا وہ جنت میں جائے گا۔

اسی طرح حضرت عبادہؓ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جو ان کے لئے اچھی طرح وضو کرے، انہیں ان کے وقت کے مطابق ادا کرے اور ان کے رکوع، سجود اور خشوع کو پورا کرے، اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے معاف کردے گا۔ (موطا، ابوداؤد: ج۱ص۱۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

من سره أن يلقى الله تعالىٰ غداً مسلماً فليحافظ على هؤلآء الصلوات حيث ينادىٰ بهنَّ فاِنَّ الله شرع لنبيكم ﷺ سنن الهدى واِنهن من سنن الهدى ولوأنَّكم صليتم في بيوتكم كما يصلي هذا المتخلف في بيته لتركتم سنة نبيّكم ولو تركتم سنّة نبيّكم لضللتم. (مسلم: ج۱ ص۲۳۲)

جو مسلمان رہ کر کل اللہ سے ملنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ ان نمازوں کی وہاں حفاظت کرے جہاں سے ان کی آواز دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کے لئے سنن ھدی مشروع ٹھہرائی ہیں اور یہ ان سنن ھدی میں سے ہیں اور اگر تم انہیں اپنے گھروں میں ادا کروگے، جیسے یہ پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں ادا کرتا ہے، تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے، اور اگر تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دوگے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی حفاظت کا تقاضا ہے کہ اسے بروقت پورے اہتمام سے اس کے فرائض وسنن کی رعایت کے ساتھ باجماعت ادا کیا جائے، ایک دو نمازیں پڑھ لینا، یا نماز پڑھتے ہوئے اس کے فرائض وسنن کا اہتمام نہ کرنے والا نماز کا

محافظ نہیں، بلکہ ایسے شخص کو آپ ﷺ نے بدترین چور قرار دیا ہے اور فرمایا: اگر یہ اسی حالت میں فوت ہو جائے تو وہ میری ملت پر فوت نہیں ہوگا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، نماز کی حفاظت نہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾(مریم: ۵۹)

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کر دیا اور خواہشات کی پیروی کی، سو وہ عنقریب خرابی سے دوچار ہونگے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں: کہ ''اضاعت نماز'' وقت پر نماز نہ پڑھنا ہے، اگرچہ بعض نے اس سے مراد بالکلیہ ترک صلاۃ بھی مراد لی ہے۔ اسی طرح فرمایا:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ٥ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾

(الماعون: ٤،٥)

سو بڑی تباہی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں۔

یہاں بھی "ساھون'' نماز بھلا دینا بھی مراد ہے اور بے وقت اس کے حقوق و فرائض کے اہتمام کے بغیر نماز ادا کرنا بھی مراد ہے، لیکن یہاں دوسرا مفہوم ہی زیادہ واضح ہے کہ اس عمل و کردار کے نمازیوں کی یہاں مذمت بیان کی گئی ہے کہ فی الجملہ وہ نمازی ہیں مگر اپنی نمازوں سے غافل ہیں، نماز کی ان کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں، کسی جگہ پھنس گئے تو پڑھ لی، یا فرصت ملی تو پڑھ لی، ورنہ اس کی پرواہ نہ کی، نماز پڑھی تو بادل ناخواستہ پڑھی، قرآن مجید میں یہ حالت منافقین کی بیان کی گئی ہے کہ:

﴿وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾(النسآء: ۱۴۲)

کہ جب وہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے اٹھتے ہیں۔

ان کا دل نماز پڑھنے پر آمادہ نہیں ہوتا، سستی کے مارے ہوئے نماز کے آخری وقت میں اٹھتے ہیں، بس یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم بھی نمازی ہیں، جلدی جلدی اس سے فارغ ہو جاتے ہیں، نہ قیام صحیح نہ رکوع و سجدہ صحیح۔ نہ ایسے نمازی مطلوب، نہ ہی ایسی نماز مطلوب۔

چاہیے تو یہ کہ وہ خوشی خوشی اپنے رب کی پکار پر اٹھیں کہ رب سے مناجات کا وقت آ گیا ہے، اور پھر اس کے لئے ہمیشہ تیار رہیں، سرِمو اس سے تغافل اختیار نہ کریں کہ فلاح وفوز انہی کا مقدر ہے۔

﴿ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ o الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ ﴾ (المؤمنون: ۱۰، ۱۱)

بس یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

گویا ان اوصاف کے حاملین ہی جنت فردوس کے وارث ہیں، جنت کی وراثت وملکیت کے یہی حقدار ہیں ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

﴿ تِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا ﴾ (مریم: ۶۳)

یہ وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے متقی بندوں کو بنائیں گے۔

اس طرح فرمایا گیا ہے:

﴿ وَنُوْدُوْآ اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾

(الاعراف: ۴۳)

انہیں ندا آئے گی؟ تم اس جنت کے وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے بدلہ میں جو تم کرتے رہے۔

اور اہل جنت بھی منزل مقصود پالینے کے بعد کہیں گے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴾ (الزمر: ۷۴)

اس اللہ کا شکر جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنایا، کہ اس جنت میں ہم جہاں چاہیں رہیں، عمل کرنے والوں کے لئے یہ کیسا اچھا اجر ہے۔

علامہ راغبؒ نے تو کہا ہے کہ جو خوشگوار چیز کسی کو بطور عطیہ دی جائے اسے

''اورث'' کہا جاتا ہے، مگر یہاں جنت کی وراثت سے مراد اس میں ہمیشہ رہنے اور اس کی نعمتوں سے متمتع ہونے کی بشارت ہے۔ علامہ زمخشریؒ اسی مفہوم کو واضح کرنے کے لئے لکھتے ہیں:

نورث ای نبقی علیه الجنة کما نبقی علی الوارث مال الموروث.

(الکشاف، اضواء: ج۴ص ۲۵۹)

کہ جس طرح ہم وارث کے لئے موروث کا مال باقی رکھیں گے، اسی طرح ہم ان کے لئے جنت باقی رکھیں گے۔

وہ کبھی بھی اس سے نہ محروم ہوں گے، نہ اس کے انعامات ختم ہونگے، جس طرح فوت ہونے والے کے ثمرہ یعنی مال کا وارث ہوتا ہے، اسی طرح صالحین ومتقین کا عمل تو ختم ہوگیا مگر اس کا ثمرہ عامل کو جنت کی صورت میں ملے گا، چنانچہ اس معنوی مناسبت سے اسے وراثت سے تعبیر کیا گیا ہے، یا یوں سمجھئے کہ وراثت ملنے کے بعد وارث اس کا مالک ہوتا ہے، جس طرح چاہے اس میں تصرف کرتا ہے، اسی طرح اہل جنت اس معنی میں وارث ہیں کہ وہ اس کے مالک ہیں، جہاں چاہیں آجا سکتے ہیں، جو چاہیں کھائیں، جو وہ چاہیں گے اپنے سامنے پائیں گے۔'' وَلَكُمْ فِيهَا مَاتَشْتَهِيْ أَنْفُسُكُمْ ،، دنیا میں چاہتوں کے ارمان دل کے دل ہی میں رہے مگر وہاں چاہت پر تکمیل میں تاخیر نہیں ہوگی، کہ یہاں سب کچھ انہی کا تو ہے، اور وارث بھی جنت فردوس کے، جو جنت کا اعلیٰ ترین اور سب سے افضل حصہ ہے، کہ پوری جنت میں جو جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں، جنت فردوس ان تمام نعمتوں سے معمور ہوگی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کے سو درجے ہیں، ہر درجہ دوسرے درجہ سے اتنی مسافت پر ہے جتنی زمین وآسمان کے مابین مسافت ہے، اور سب سے اعلیٰ درجہ جنت فردوس کا ہوگا، جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت فردوس کا سوال کرو۔ (بخاری: ج۲ص ۱۱۰۴)

ایک روایت میں ہے کہ فردوس سے اوپر اللہ ذوالجلال والاکرام کا عرش ہوگا، جنت کی تمام نہروں کا مرکز ومنبع یہی جنت فردوس ہوگی، اسی جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے،

اور جنت بھی ختم نہ ہوگی، نہ اس کی لذتیں و نعمتیں ختم ہوں گی، دنیا فانی اور جو کچھ یہاں ہے اسے بھی فنا ہونا ہے، مگر جنت اور اس کی نعمتیں فنا ہونے والی نہیں، وہاں موت کا ڈر نہیں، کہ موت کو بھی مینڈھے کی شکل میں لاکر ذبحہ کر دیا جائے گا، اور اعلان کیا جائے گا کہ اب تمہیں یہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہے۔ **اللّٰهم أدخلنا جنّة الفردوس**

بعض مشائخ کا خیال ہے کہ جنت تو اللہ کی مخلوق ہے، اس کی طلب نہیں بلکہ خالق کی طلب ہونی چاہیے، بعض کہتے ہیں، کہ عبادت جنت کے حصول کے لئے یا دوزخ سے بچنے کے لئے نہیں، مگر یہ تصور درست نہیں، جنت تو اللہ کی رحمت کا مظہر اور اللہ کے دیدار کا محل و مقام ہے، جبکہ جہنم اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہے اس لئے جنت کا سوال دراصل اس کی رحمت کا سوال ہے، پھر جب سید الاولین والآخرین حضرت محمد ﷺ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے رہے اور جہنم سے پناہ مانگتے رہے تو کسی امتی کی اس سے بے نیازی قطعاً روا نہیں۔

اسی طرح بعض کم ظرف یہ بھی کہہ گزرتے ہیں کہ ہمیں بغداد کی گلی کافی ہے، بعض نے یہ ہرزہ سرائی بھی کر ڈالی کہ

ملتان ما با جنت اعلی برابر است

معاذ الله ثم استغفر الله یہ لوگ دراصل نہ جنت کو جانتے ہیں، نہ جنت کی نعمتوں سے واقف ہیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ تو "**ریاض الجنة**" میں بھی جنت کا سوال کریں مگر یہ لوگ دنیا فانی کو جنت یا جنت اعلیٰ کے برابر سمجھیں تو بتلایئے گمراہی اور کس چیز کا نام ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی یاوا گوئی سے محفوظ رکھے، جنت الفردوس نصیب فرمائے اور اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق بخشے۔ **آمین یا ربّ العالمین**

ارشاد الحق اثری

عفی عنه و غفر له و لوالدیه ولمشائخه

ولجمیع المؤمنین و المؤمنات

۲۴ صفر ۱۴۲۴ھ

ادارہ کی دیگر مطبوعات

1. العلل المتناهية فى الأحاديث الواهية
2. إعلام أهل العصر بأحكام ركعتى الفجر للمحدث شمس الحق الديانوى
3. المسند للإمام أبى يعلى أحمد بن على بن المثنى الموصلى (چھ ضخیم جلدوں میں)
4. المعجم للإمام أبى يعلى الموصلى
5. مسند السراج، للإمام أبى العباس محمد بن اسحق السراج
6. المقالة الحسنى (المعرب) للمحدث عبد الرحمٰن المباركفورى
7. جلاء العينين فى تخريج روايات البخارى فى جزء رفع اليدين للشيخ الأستاذ بديع الدين شاه الراشدى
8. إمام دار قطنى
9. صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین
10. موضوع حدیث اور اس کے مراجع
11. عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم
12. کتابت حدیث تا عہد تابعین
13. الناسخ والمنسوخ
14. احکام الجنائز
15. محمد بن عبد الوهابؒ
16. قادیانی کافر کیوں؟
17. پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری نماز
18. مسئلہ قربانی اور پرویز
19. پاک و ہند میں علمائے اہلحدیث کی خدمات حدیث
20. توضيح الكلام فى وجوب القراءة خلف الإمام
21. احادیث ہدایہ: فنی و تحقیقی حیثیت
22. آفات نظر اور ان کا علاج
23. فضائل رجب للامام ابی بکر الخلالؒ
24. تبيين العجب للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ
25. مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں
26. آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے
27. حرز المؤمن
28. احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش
28. امام بخاریؒ پر بعض اعتراضات کا جائزہ
29. مسلک اہلحدیث اور تحریکات جدیدہ
31. اسباب اختلاف الفقہاء
32. مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کا مؤقف
33. مسلک احناف اور مولانا عبدالحیؒ لکھنوی
34. فلاح کی راہیں

Designed & produced by: DARUSSALAM Ph: 042-7240024 - 7232400